اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماہنامہ

الحق

اکوڑہ خٹک

جلد ۲۵ — شمارہ ۱۱

محرم الحرام ۱۴۱۱ھ — اگست ۱۹۹۰ء

بیاد: حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مدیر معاون: عبدالقیوم حقانی

مدیر: حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی

ناظم: شفیق فاروقی

فون نمبر دارالحدیث ڈائلنگ سسٹم ۳۴۰ / ۳۴۱ ، ۴۳۵ کوڈ نمبر ۰۵۲۳۱۷

اس شمارے کے مضامین

پاکستان میں سالانہ ۵۶/- روپے فی پرچہ ۵/- روپے بیرون ملک بحری ڈاک ۸/- پونڈ بیرون ملک ہوائی ڈاک ۱۲/- پونڈ

سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "الحق" دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

بے نظیر حکومت کا خاتمہ
تاریک دَور اور بدترین انجام

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ط
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بالآخر ۶ اگست ۱۹۹۰ء کو محترمہ بے نظیر کی غیر فطری، غیر شرعی حکومت اور پیپلز پارٹی کی ٹوئٹ حکمرانی کے دوسرے تاریک ترین دَور (جس نے پاکستان کی تاریخ میں بدعنوانی اور لوٹ کھسوٹ کے ریکارڈ توڑ دیئے) کا بھی خاتمہ ہوگیا اور قوم کو ایک بار پھر اندھیر نگری اور چوپٹ راج سے نجات مل گئی۔ والحمد للہ علیٰ ذٰلك

صدر پاکستان جناب غلام اسحٰق خان نے اس موقع پر قوم کے نام اپنے مفصّل خطاب میں سابقہ حکومت کی کرتوتوں، وزیرِ اعظم کی نااہلیت اور اس کے سبب ملکی، قومی بلکہ بین الاقوامی سطح پر مملکت کی ذلّت اور عالمی رسوائیوں کے جن عبرتناک مناظر کی طرف اشارات کیئے، اب اُن کے اعادہ کی نہ ضرورت ہے نہ گنجائش اور نہ فرصت !

صدر کے بیان کردہ شرمناک الزامات سے لبریز اور ٹھوس شواہد و نظائر سے مزیّن سیاہ نامۂ اعمال، سنگین اخلاقی، مالی، سیاسی اور دستوری جرائم کے ارتکاب پر مبنی سرکاری دستاویز کسی عام سرمایہ دار، صنعت کار، وڈیرے یا سمگلر کی نہیں بلکہ ایک ایسی سیاسی پارٹی کی سربراہ کا کردار تھا جو ملک میں سماجی عدل و مساوات اور غربت و امتیازات کے خاتمے کی علمبردار تھی اور جس کی سیاست کا سارا دارو مدار محروم اور استحصال زدہ طبقات کے حالات کو بہتر بنانے اور انہیں ان کے حقوق دلوانے کے بلند بانگ نعروں پر تھا۔

ہمارے نزدیک نبیِّ صادق و مصدوق امام الانبیاء والمرسلین حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پیشینگوئی کی ایک اور قطعی اور عملی شہادت مہیا ہوگئی کہ عورت ہرگز حکمرانی کی اہل نہیں اور جس قوم نے بھی اقتدار عورت کو سونپا وہ کبھی بھی فلاح نہیں پا سکتی۔

ایوانِ بالا سینیٹ سے شریعت بِل کے منظور ہونے کے بعد اقتدار کے آخری ایام میں سابق وزیرِ اعظم سمیت کابینہ کے تمام ارکان، پیپلز پارٹی کی مرکزی قیادت اور وفاقی حکومت کی تمامتر مشینری ہاتھ دھو کر اور لنگوٹ کس کر شریعت بِل کی مخالفت اور مزاحمت اور اس کو ہر حال میں ناکام بنانے کے لیے جس طرح میدان میں کُود آئی، قرآنی نظام، خدائی احکام، قطعی نصوص اور اسلامی ہدایات کے خلاف جس طرح کا تضحیک و استہزا

مذاق وتمسخر اختیار کیا، علماء حق کے خلاف اوچھی اور بازاری زبان استعمال کی۔ خود سابق وزیر اعظم نے قرآنی
د اور احکام کو نامناسب، ظالمانہ اور وحشیانہ نظام قرار دیا تو اس کے پیش نظر ہمارا یقین تھا کہ جیونٹی نے
ڈسے کرانے اور اپنا سر پھوڑنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ نے وقت ضائع کیے بغیر قلیل ترین مدت میں ملک بھر کی سیاسی، مذہبی اور
تنظیموں سے رابطہ قائم کر کے آل پارٹیز شریعت کانفرنس کا انعقاد کیا اور قوم کو جبر و استبداد اور تشدد
عمال کے خاتمے اور نفاذ شریعت کی تکمیل کے لیے "تحریک نفاذ شریعت" کا پلیٹ فارم مہیا کر دیا جس
کام کرنے کا مؤثر اور انقلابی لائحہ عمل مرتب کیا۔ جس کا پہلا، آخری اور بنیادی ہدف شریعت بل کی منظوری
اسی میں عورت کی حکمرانی کا خاتمہ تھا، اس کے منظور ہونے سے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا دور شروع ہوتا، جبر و
ہ داد کی دیواریں گرنے لگتیں اور عدل و انصاف پر مبنی معاشرہ کی تشکیل اور اسلامی خطوط پر اس کی تعمیر ہوتی۔ مختصر
ت میں ہمہ گیر تحریک چلی، حکومت کو ۱۰ اگست تک شریعت بل کے منظور کر دینے کا الٹی میٹم دے دیا گیا،
ملک ایک بار پھر شریعت بل کے نعروں سے گونج اٹھا۔ ملکی سیاست کا نقشہ تبدیل ہو گیا، ملک کی تمام سیاسی
ٹیاں دو قوتوں میں بٹ گئیں، ایک پیپلز پارٹی کی وفاقی حکومت جس نے ہر صورت میں شریعت بل کو ٹالنے
زد اور ڈائنامیٹ کر دینے کا تہیہ کر رکھا تھا، دوسری حزب اختلاف جس نے متفقہ طور پر شریعت بل
قومی اسمبلی یا پارلیمینٹ کے مشترکہ اجلاس سے منظور کرانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

الحمد للہ کہ موقف حق تھا، بات درست تھی اور ہدف صحیح تھا۔ اس تحریک میں وہ لوگ بھی شریک ہو
ئے جنہیں کل تک شریعت بل کا نام لینا بھی گوارا نہ تھا۔ اور اب شریعت بل ایک ایسی کسوٹی بن گیا ہے کہ
ں کی مخالفت کر کے اپنی سیاسی وجاہت کو تاراج کرنے کی جرأت کسے ہو سکتی ہے؟

مگر عین اس وقت جبکہ شریعت بل قومی اسمبلی میں پیش ہونے والا تھا ملکی سیاست اور تاریخ کے
ں نازک ترین اور حساس مرحلہ اور شریعت بل کی قطعی منظوری اور نفاذ کے واضح اور روشن امکانات کے
قع پر اسمبلیاں توڑ دی گئیں اور اس طرح آئینی اور پارلیمانی طریقے سے شریعت بل کے تحفظ و نفاذ کی
بیب ترین منزل قوم سے پھر دور کر دی گئی۔

حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کو بے نظیر کی رخصتی سے دو روز قبل اس تمام کھیل اور اس کے پس منظر کا علم ہو گیا تھا
ر یہ بھی واضح ہو گیا تھا کہ ڈور کا سرا کس کے ہاتھ میں ہے اور وہ کہاں سے ہلایا جا رہا ہے اگر اس سب کچھ
ے با وجود انہوں نے ایک روز قبل صدر جناب غلام اسحٰق خان سے ملاقات کی اور اپنی ملاقات میں یہی درخواست

کی کہ نفاذِ شریعت بل کے اسمبلی میں پیش ہونے اور منظور کرانے کے قریب ترین ایام میں یہ اقدام نفاذِ شریعت کی مہم سبوتاژ کرنا اور بیرونی طاقت کے اشارہ پر تحریک نفاذِ شریعت کو ملیامیٹ کرنا ہے، مولانا نے لحاظ سے شریعت بل کے قومی اسمبلی میں پیش ہونے اور اس کی قطعی منظوری اور اس کے مفید اور مثبت نتائج سے صدر کو آگاہ کیا اور ان کی منت سماجت کی کہ چند روز بعد بھی یہ اقدام اٹھایا جا سکتا ہے۔

بہر حال یہ ایک اتمام حجت تھا جس کا صدر پر واضح کر دینا ضروری تھا۔ تاہم قوم کے سنجیدہ، دینی اور باشعور حلقوں نے اس سوال کا تشفی بخش جواب تاہنوز نہیں پایا کہ جب بے نظیر کی حکومت کے ۲۰ بیس ماہ کا ہر ہفتہ اتنا سنگین، تاریک اور بھیانک تھا کہ صدر کے اس کے برطرف کر دینے کے اقدام کو ہر لحاظ سے جائز ضروری اور برمحل قرار دیا جاتا مگر شریعت بل قومی اسمبلی میں زیرِ بحث آنے سے محض چند گھنٹے قبل کا وقت اس کے لیے کیوں منتخب کیا گیا؟ ہمیں یہ دریافت کرنے کا پورا حق حاصل ہے کہ

جنابِ صدر! آپ نے یہ قدم اُس وقت کیوں نہ اٹھایا جب بے نظیر حکومت کی لسانی تعصب پر مبنی سیاسی کارروائیوں سے سندھ میں خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں، محض زبان کے اختلاف کی وجہ سے لوگوں کے بھرے پڑے گھر لوٹے جا رہے تھے، تحریک عدمِ اعتماد کے موقع پر بقول آپ کے "جمعہ بازار" لگا ہوا تھا اور سینیٹ سمیت صوبائی اسمبلیوں کے ممبر گاجر مولی کی طرح بک رہے تھے، حد درجہ بیدردی، بے رحمی اور مالِ غنیمت کی طرح قومی خزانہ کو لٹوایا جا رہا تھا، پھر سندھ میں صرف ایک بار نہیں بار بار روح فرسا اور خوفناک مناظر پوری قوم نے دیکھے اور ہر بار مظلوم اور خوفزدہ عوام بڑی امیدوں اور توقعات کے ساتھ آپ کی طرف دیکھتے رہے لیکن انہیں ہر بار مایوس کیا جاتا رہا۔

مگر اب جبکہ حالات خاصے پُرسکون تھے اور شریعت بل کے مسئلہ پر پوری قوم متفق اور متحد ہو چکی تھی جبکہ پیپلز پارٹی تنہا رہ گئی تھی اور بظاہر یقین ہونے لگا تھا کہ اس معاملے کے قومی اسمبلی میں جانے کے بعد پاکستان میں قرآن و سنت کے نفاذ کی منزل قریب آجائے گی اور اس کی مخالفت میں بے نظیر حکومت کی تمام تر کوششیں رائیگاں جائیں گی جو اس کے قطعی زوال اور نئے اسلامی انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوگا ـــــ مگر اجلاس سے چند گھنٹے قبل صدر نے بساط لپیٹ کر شریعت بل کی منظوری اور قطعی کامیابی کے واضح اور روشن امکانات کو ختم کر دیا۔ لہٰذا اِس امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا کہ یہ بھی غیر ملکی اشارہ تھا، اس لیے کہ امریکہ بہادر کو دنیا کے کسی بھی خطہ میں نظامِ شریعت کی بالادستی اور تنفیذ و ترویج ایک نظر بھی نہیں بھاتی۔

بہر صورت پس منظر جو کچھ بھی ہو اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شریعت بل بے نظیر کے

ںحکومت میں آخری کیل ثابت ہوا —— اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ شریعت بل سے جن قوتوں، سیاسی
ں، حکمرانوں اور بعض قدآور شخصیتوں نے ٹکرلی، اس کی مخالفت اور مزاحمت میں کوئی باک محسوس نہ
ر اس کی منظوری اور نفاذ میں رکاوٹ بنے یا رکاوٹیں کھڑی کیں ان سب کا (کسی کی تعیین اور نام لینے کی
ت نہیں) بالآخر وہی انجام ہوا جو امام الانبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب شریف پھاڑنے
ایرانی شہنشاہ خسرو پرویز سے لے کر مسٹر بھٹو اور مسز بے نظیر بھٹو کا ہوتا آیا ہے۔

چنانچہ مولانا سمیع الحق مدظلہ اور تحریکِ نفاذِ شریعت کے دیگر رہنماؤں نے اس حقیقت کو بھی انقلاب
دوسرے روز صدر غلام اسحٰق خان اور وزیرِ اعظم غلام مصطفٰے جتوئی سے ملاقات کر کے ان پر روزِ روشن کی طرح
اکر دیا اور شریعت بل کے آئینی اور دستوری حل کے سلسلہ میں مؤثر کردار ادا کرنے کی ذمہ داریوں سے انہیں آگاہ کیا۔

لہٰذا اس موقع پر ہم یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ صدرِ پاکستان اور عبوری حکومت کے اہداف اور ترجیحات
یہ بھی ہوں، صدر کا کردار جمہوری اعتبار سے کتنا ہی منصفانہ کیوں نہ ہو، احتساب کا عمل صاف ستھرا
پر مبنی جامع اور ہمہ گیر کیوں نہ ہو، انتخابات کے انعقاد اور اس سلسلہ کے مساعی جس قدر بھی اچھی اور
ظ سے تیر بہدف کیوں نہ ہوں، قوم اور اسلامیانِ پاکستان کو صدر سمیت عبوری حکومت سے "شریعت بل"
ناذ، اس کے آئینی تحفظ اور مستقبل میں اس کے ہر لحاظ سے تنفیذ و استحکام اور مکمل ترویج کے
ہ میں مؤثر اور جرأتمندانہ موقف اور ایک سچے مسلمان کی طرح مخلصانہ کردار مطلوب ہے۔

اگر خدانخواستہ گذشتہ پانچ سالہ دور کے شریعت بل کے مخالفانہ کردار اور خدا تعالیٰ کی گرفت و انداز
اب بھی کوئی عبرت اور سبق حاصل نہ کیا گیا اور شاہی محلات کے بائیں طرف اپنے پیشروؤں کے عبرت آموز
ذرات پر نظر کرنے کے بجائے تخت و تاج، لشکر و سپاہ اور حکومت و اقتدار کے نشے میں وہی
ب غفلت، شریعتِ مطہرہ سے بے اعتنائی، خدا سے بغاوت، منافقت اور اسی مستی کا مظاہرہ کیا جاتا
ں کا بدترین انجام نئی عبوری حکومت کے قیام کا سبب بنا ہے تو اپنے لیے بھی اس بدترین انجام کا
ے لینے اور اس کے لیے تیار رہنے کا پہلے سے فیصلہ کر لیجئے۔

(عبدالقیوم حقانی)

مولانا عبدالقیوم حقانی

سقوطِ کویت

عراقی جارحیت اور خلیج کی خطرناک صورت حال

کویت اپنے حلیف ملک عراق کی وحشیانہ اور سفاکانہ جارحیت اور جبری تسلط کے نتیجے میں اپنی
اور آزادی و خود مختاری سے محروم کر دیا گیا اور دنیا بھر کے تمام ممالک کی پُرزور اور شدید مذمت
کے باوجود صدام حسین نے کمزور پڑوسی اور اپنے عظیم محسن ملک کو عراق میں ضم کر لیا — اس سے یہ حقیقت
روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ عالمِ اسلام، مسلمان حکومتوں، عرب ملکوں بلکہ اچھے تعلیم یافتہ، اور مہذب
اور عدل و انصاف کے مدعی حکمرانوں میں اپنے آقایانِ ولی نعمت کی خوشنودی کے لئے اب بھی وہ خو
آشامی بلکہ خونخواری اور درندگی پائی جاتی ہے۔ جو ہزاروں برس قبل دورِ جاہلیت کی خصوصیت اور
آدم خور قوموں اور قبائل کی روایت سمجھی جاتی تھی۔

پھر کویت کی چند گھنٹوں کی معمولی مزاحمت کے بعد مفتوح ہو جانے سے یہ حقیقت بھی نصف النہار
کی طرح روشن اور عیاں ہوگئی کہ طاقت اور عزم کے سامنے (جو اپنے ناپاک عزائم، مذموم ارادہ، ا
جارحیت پر تلی ہوئی ہو اور اس کا مقابلہ کرنے کے لئے کوئی مسلح و منظم اور صاحب عزم طاقت نہ ہو)
انسانی ضمیر، اخلاقی حس، انصاف و معقولیت، چند جماعتوں بلکہ حکومتوں کی ملامت و مذمت اور اقوام متحدہ
جیسے عالمگیر ادارے کا احتجاج، قراردادیں اور اس کی تجاویز پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتیں۔
کویت پر عراقی فوج اور قبضے کو عالم انسانیت کے ضمیر نے کسی بھی پہلو اور کسی بھی بنیاد پر قبول نہیں کیا
دنیا کا کوئی ملک بھی ایسا نہیں جس نے اس ننگی جارحیت کی مذمت نہ کی ہو۔ مگر تاہنوز اس کا کوئی خاطر
نتیجہ ظاہر نہیں ہوا۔

عراقی یلغار، سقوط کویت، سعودی عرب پر عراقی حملے کی تیاریاں، امریکی فوج کا حرکت میں آجانا، روس
درندہ کے اشارے، اقوام متحدہ کی قراردادوں، عرب سربراہ کانفرنس اور خلیج کی تازہ ترین صورت حال۔
معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک اس متمدن دنیا میں بھی جنگل کا قانون اور (MIGHT IS RIGHT) کا اصو

چل رہا ہے۔ اقوام متحدہ یا اپنے ہمدردوں اتحادیوں، معقولیت پسند انسانوں کی مذمت و ملامت اور مظاہروں سے امید رکھنا طفل تسلی، فریب نفس بلکہ خودکشی سے کم درجہ کی چیز نہیں۔ اور اس کی بے اثری بے وقعتی اور بے وزنی جیسی المیہ کویت اور خلیج کی آتش فشاں صورت حال کے موقع پر ظاہر ہو رہی ہے ویسی عرصہ دراز سے ظاہر نہیں ہوئی تھی۔

برصغیر پاک و ہند، مسئلہ کشمیر، مسئلہ افغانستان، مسئلہ فلسطین اور پاکستان میں سیاسی انقلابات سے قطع نظر خلیج کی تازہ ترین صورت حال کے تناظر میں یہ بات بھی ایک بدیہی حقیقت بن کر سامنے آگئی ہے کہ دنیا کی دونوں بڑی طاقتوں (امریکہ اور روس) پر بھروسہ کر کے خود خواب غفلت کی چادر تن کر سو جانا یا ان کے بھروسہ پر کوئی اقدام کرنا یا ان سے کوئی امید رکھنا دنیا کی سب سے بڑی حماقت اور بدنصیبی ہے جس کا اب قطعاً کوئی جواز نہیں رہا۔

بدقسمتی سے کویت سمیت بہت سے دیگر مسلم ممالک بھی اسی ناعاقبت اندیشی کے مرتکب ہوئے۔

کویت دنیا کا امیر ترین ملک ہونے اور عراق کی جارحیت، توسیع پسندانہ عزائم اور اس سے قبل بھی عراقی یلغار کا نشانہ بننے کے باوجود اپنی سالمیت، تحفظ اور مؤثر دفاع پر کوئی توجہ نہ دے سکا۔ مالی وسائل کی بہتات اور بے حساب فراوانی کے باوجود کویتی فوج بیس[20] ہزار کی نفری، پونے تین[2.75] سو ٹینک اور چھتیس[36] طیاروں پر مشتمل تھی۔ اپنے دفاع سے غفلت کا یہ سنگین ترین جرم تھا جو بالآخر اسے لے ڈوبا ع

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

درحقیقت نہ روس ان ملکوں کا ساتھ دینے میں مخلص ہے جو اس کے کیمپ میں ہیں اور نہ امریکہ ان ملکوں کے حق میں مخلص ہے جو اس کی حفاظتی چھتری کے نیچے ہیں۔ روس اور امریکہ کو مسلمان ملکوں کے مفادات کا محافظ اور اپنے وجود و بقا کا ضامن قرار دینا خدائی غیرت اور اس کی قدرت کو چیلنج کرنے سے کسی طرح بھی کم نہیں۔

جہاں تک امریکہ کا تعلق ہے اسرائیل اس کا وہ سدھایا ہوا کتا (کلب معلم) ہے جو اپنے مالک کے اشارے و اجازت بلکہ اس کے حکم سے شکار پر دوڑتا ہے اور اس کو مار کر اس کے قدموں میں لا ڈالتا ہے مسلمانوں بالخصوص عربوں کے ساتھ کی جانے والی اسرائیلی وحشت و درندگی اور بربریت پر امریکہ جیسے متمدن اور ترقی یافتہ ملک کے ضمیر میں (جو بظاہر جانوروں اور پرندوں کی تکلیف بھی نہیں دیکھ سکتا) کوئی حرکت اور اثر پیدا نہیں ہوا۔ ٹھیک جن مقاصد کے تحت یہودی مشن کی علمبردار طاقتوں نے عالم عربی کے

قلب پر اسرائیل قائم کیا۔ وہ اس وقت کے عرب حکمرانوں کی ضمیر فروشی، بے حمیتی، کوتاہ نظری اور باہمی آویزش کی وجہ سے کامیاب ہوگیا اور اب روس بہادر کے اشارے سے[1] صدام حسین کے اپنے عرب ملکوں اور قریب ترین حامیوں اور دوستوں کے خلاف اس قدر ننگی جارحیت کے اقدام سے اس حقیقت کا علم و انکشاف اور اس کا تسلیم کر لینا ضروری ہے۔ کہ اس المیہ، قیامت خیز واقعہ، اور آئندہ کی خون آشام صورت حال کے موقع پر جس کے سامنے تمام مسلمانوں کی گردنیں جھک گئی ہیں اور ان کو دنیا کے ہر حصے میں اپنی ذلت و ہزیمت کا احساس ہوا عالم اسلام کی جس بے بسی اور عالم عربی کی جس بے حمیتی اور بے حسی کا اظہار ہو رہا ہے اس کا انجام بد اور پریشان کن صورت حال کے ظہور میں ان دونوں کو کلیتہً بری الذمہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔

تاہم اس کی اصل ذمہ داری مشرق وسطیٰ کی عرب حکومتوں پر ہے جب کہ عجم اور عرب عوام بلکہ تمام عالم اسلام اس وقت سخت روحانی کرب اور قلبی اذیت میں مبتلا ہے۔ اور اب عالمی برادری کی غالب اکثریت خلیج میں امریکہ، برطانیہ، فرانس اور سوویت یونین کے جنگی جہازوں کی بڑی تعداد کے پہنچ جانے سے صد درجہ تشویش میں مبتلا ہو گئی ہے اور سب کو یہی اندیشہ ہے کہ اگر ان حالات پر قابو نہ پایا گیا تو پوری دنیا ایک انتہائی خوفناک بحران کے لپیٹ میں آجائے گی۔ بلکہ عین ممکن ہے کہ یہ صورت حال بڑھ کر کسی عالمگیر جنگ کی شکل اختیار کر جائے۔ اتنی خوفناک صورت حال کا بہترین حل تو یہی ہے کہ عراق اپنی فوجیں کویت سے نکال لے اور اس کے لئے بلا تاخیر عالمی سطح پر کوئی ایسا مؤثر وفد تیار کرنا چاہیئے جو بغداد جا کر صدام حسین کو مفاہمت کی راہ اختیار کرنے پر آمادہ کرے۔ اگر خدانخواستہ موجودہ صورت حال میں جنگ

---

[1] ظاہر ہے کہ موجودہ عراقی قیادت کی سیاسی اور فکری تربیت روس میں ہوئی ہے۔ اور عراق کی موجودہ فوجی اور سیاسی قیادت عراق پر روس ہی کی مسلط کردہ ہے۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ کویت ہڑپنے اور اس کی آزادی و خودمختاری کو روند ڈالنے کے بعد اب عراقی فوجیں سعودی عرب پر یلغار کے لئے پر تول رہی ہیں۔ جب کہ دونوں ملک عراق ایران جنگ میں عراق کے حلیف اور مددگار ہونے کے باوجود اس کے معتوب اس لئے بن گئے ہیں کہ دونوں ملکوں نے عراق کے آقائے ولی نعمت روسی یلغار کے مقابلے میں افغان مجاہدین کی بھرپور مدد کی۔ اور ڈنکے کی چوٹ روسی بہیمیت کا مقابلہ کیا۔ چنانچہ اسی جرم کی پاداش میں روس نے اپنی پٹھو عراقی حکومت کے ذریعہ دونوں ملکوں کو سزا دینے کی ٹھان لی ہے۔ کویت پر حملے اور سعودی عرب پر یلغار کی تیاری کا عراقی انداز افغانستان پر روسی فوج کشی کے مشابہ ہے اور فساد قلبی کا بھی وہی عالم جو روسی قیادت میں پایا جاتا ہے اور اس کی ایک مثال بطور نمونہ یہ بیان کی جا سکتی ہے کہ جب سو سے زائد عراقی فوجی افسروں نے کویت پر حملے میں شرکت کرنے سے انکار کر دیا تو انہیں صدام حسین نے فوراً موت کے گھاٹ اتار دیا۔

کی آگ بھڑک اٹھی تو اس کا سب سے زیادہ نقصان مسلمانوں کے عالمی مفادات کو اٹھانا پڑے گا اور اس جنگ میں مسلمان ملکوں کا اتنا کچھ جل جائے گا کہ اسے دوبارہ بنانے کے لئے پچاس برس بھی کافی نہ ہوں گے۔

موجودہ نازک ترین اور بھیانک صورت حال کا اصل پس منظر یہی ہے کہ عالم اسلام بالخصوص عرب ممالک کے اکثر حکمرانوں نے بیرونی طاقتوں کے منشاء کی تکمیل میں اور اپنے حقیر اور محدود مقاصد کی خاطر کوئی سنجیدہ اور باعزم مزاحمت بلکہ اپنی مدافعت تک کے بارے میں کبھی مضبوط لائحہ عمل بلکہ ٹھوس منصوبہ بندی کے بارے میں سوچا تک نہیں جبکہ بڑی طاقتوں کے اشاروں اور مشوروں نے انہیں ہر لحاظ سے مفلوج، شل اور بے بس بنا دیا ہے۔ اس وقت بھی مشرق وسطیٰ میں ایسے بڑے طاقتور اور مسلم عرب ملک موجود ہیں جو تنہا اسرائیل اور کسی بھی جارحیت کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ باہمی انتشار کو ختم کر کے جسد واحد بن سکتے ہیں۔ روسی امداد کے تکمیلی اقدام عراقی جارحیت کا دندان شکن جواب دے سکتے ہیں لیکن ان کی ساری طاقت، صلاحیت و ذہانت اپنے ہم قوموں پڑوسیوں، باشندگان ملک کے دینی جذبات، اخلاقی اقدار، اسلامی حمیت، اظہار خیال کی آزادی اور ایک بہتر اسلامی معاشرہ کے قیام اور اسلامی زندگی کی خواہش و مطالبہ کو کچلنے اور ہمیشہ کے لئے ان سے خلاصی حاصل کرنے کے لئے صرف ہو رہی ہے۔

عالم عرب کے باہمی انتشار اور بیرونی طاقتوں کے آلہ کار ملکوں کی ہٹ دھرمی اور یلغار نے اب انہیں اس بات کی فرصت بھی مہیا نہیں کی۔ کہ مشترک خطرے کی طرف متحدہ توجہ دے سکیں۔ دوسرا بدقسمتی سے دولت و ثروت کی بے انتہا فراوانی کے سبب انہوں نے اس طاقت کو بھی کمزور کر دیا جو ظلم و تشدد اور عراقی بربریت کی اس جنگ میں ان کے کام آتی اور اپنے جذبہ ایمانی و سرفروشی اور جاں سپاری کے وہ نمونے پیش کرتی جو قرون اولیٰ کے ساتھ مخصوص سمجھے جاتے ہیں۔

ہمیں اس حقیقت کے اظہار میں کوئی تردد نہیں کہ مسلمان ملکوں بالخصوص عالم عرب کی نااہل قیادت اور بیرونی طاقتوں کی پٹھو حکومتوں کے ساتھ مختلف درآمد کئے ہوئے فلسفوں اور ذاتی اغراض و مفادات کی بنا پر اختلاف و انتشار کی وہ علت بھی لگی ہوئی ہے جس کو صرف وحدت اسلامی، جذبہ ایمانی یا مشترک دشمن کے خطرے کا شدید احساس ہی دور کر سکتا ہے۔ افسوس ہے کہ عرب حکومتوں اور عرب ملکوں میں جنہوں نے قومیت، اشتراکیت اور البعث العربی کے علیحدہ علیحدہ جھنڈے بلند کر رکھے ہیں متحد کرنے والی قدر مشترک کا یکسر فقدان ہے ۔۔۔۔ پھر اس کے ساتھ اس المناک حقیقت کا بھی علم ہونا چاہئے کہ جو ممالک نسبتاً ان

درآمد فلسفوں سے بچے ہوئے ہیں۔ جن میں ایک کویت بھی ہے ان کو دولت کی بہتات اور عیش و تنعم گھن کی طرح کھا چکا ہے۔ اور اس نے ان کو کسی مہم جوئی جفاکشی اور سرفروشی کے قابل نہیں رکھا۔ بلکہ ان کو اتنی بھی توفیق نہیں ہوئی کہ بیرونی طاقتوں کے اثر وں اور مشوروں کو ترک کر کے اپنی بقا و سالمیت کے تحفظ پر آزادانہ سوچ سکیں۔

اس کے ساتھ یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ پورے عالم اسلام میں اس طاقت میں تشویشناک حد تک انحطاط اور زوال پیدا ہو چکا ہے جس کو قرآن حکیم کی اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۖ	اور دشمنوں کا پیچھا کرنے میں سستی نہ کرنا
إِنْ تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ	اگر تم بے آرام ہوتے ہو تو جس طرح تم بے آرام
كَمَا تَأْلَمُونَ ۖ وَتَرْجُونَ مِنَ	ہوتے ہو اسی طرح وہ بھی بے آرام ہوتے
اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ	ہیں اور تم خدا سے ایسی ایسی امیدیں رکھتے
(نساء ۱۴)	ہو جو وہ نہیں رکھتے۔

اسی طاقت اور جذبۂ ایمانی کے مظاہر، قرون اولی کے مسلمانوں، درمیانی وقفوں کے جان بازوں اور تیرھویں صدی کے وسط میں شہدائے بالاکوٹ کے ترتیب دئے ہوئے سابقیوں اور اب جہاد افغانستان کے جانباز سپاہیوں میں نظر آرہے ہیں۔

خدا کرے مسلمان حکومتیں بالخصوص عالم عرب اب کے خدائی انذار اور زلزال شدید اور انتباہ عظیم کے بعد خواب غفلت سے بیدار ہوں۔ عقل کے ناخن لیں عالمی اور بین الاقوامی سطح پر اسی جذبۂ ایمانی اور جذبہ قربانی کو زندہ کرنے کی کوئی موثر اور منظم دعوت، تنظیم اور انقلابی سطح کی جری اور عظیم قیادت سامنے لائیں اپنی سالمیت و تحفظ اور ملت کے وجود و استحکام کا یہی واحد راستہ ہے۔ جس کے نتیجہ میں صرف عرب مسلمان ہی نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کی بے لبسی اور بے کسی، بے حمیتی، بے حسی، اسرائیلی بربریت، عراقی جارحیت اور بیرونی مداخلت کا ازالہ بھرپور مقابلہ اور اس سے مکمل نجات حاصل کی جا سکتی ہے۔

خدا کرے واقعتہً بھی خلیج کی حالیہ تشویشناک صورت حال پورے عالم اسلام بالخصوص عرب قیادت کے اتحاد، فکری بیداری اور اخلاص و عزم اور مسلمانوں میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ نئی بیداری اور تیاری کا سبب بن جائے کہ اس سے کم درجہ کی چیز میں اس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔

جناب الحاج عبدالواحد صاحب خوشنویس (کاتب الحق) کی لڑکی اور جناب حاجی محمد شبیر صاحب (خادم خاص مولانا عبیداللہ انورؒ) کی اہلیہ ۲۶ جولائی ۹۰ء کو بقضائے الٰہی لاہور میں انتقال کر گئیں۔ مرحومہ کی نماز جنازہ حضرت مولانا میاں محمد اجمل صاحب قادری نے پڑھائی۔ مرحومہ نیک صالح اور صوم و صلوٰۃ کی پابند خاتون تھیں۔ قارئین سے خصوصیت سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے (ادارہ)

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

علم حدیث، ایک بیش بہا خزانہ

(حیات نبوی کا بولتا چالتا روزنامچہ اور عہد نبوی کا جیتا جاگتا مرقع)

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و تعلیم کے مقاصد و نتائج جہاں قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں وہاں صراحۃً ان چار چیزوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ۱۔ تلاوت۔ ۲۔ تعلیم کتاب۔ ۳۔ تعلیم حکمت۔ ۴۔ اور تزکیۂ نفوس۔

هو الذی بعث فی الامیین رسولاً منهم یتلو علیهم اٰیٰته و یزکیهم و یعلمهم الکتاب والحکمة و ان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین (الجمعہ ع ۱)

وہی ہے جس نے اُن پڑھوں میں ایک رسول انہیں میں سے مبعوث فرمایا۔ جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور بیشک وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔

کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلو علیکم اٰیٰتنا و یزکیکم و یعلمکم الکتٰب والحکمة و یعلمکم ما لم تکونوا تعلمون (البقرہ ع ۱۸)

جیسا کہ ہم نے تم میں ایک رسول تم ہی میں سے بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب اور دانائی سکھاتا ہے۔ اور تمہیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

درحقیقت بعثت محمدیؐ ان چاروں شعبوں پر مشتمل تھی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح دنیا کو نیا آسمانی صحیفہ عطا کیا، نیا علم و حکمت عطا کیا۔ اسی طرح نئے اخلاق، نئے جذبات و کیفیات، نیا یقین و ایمان، نیا ذوق و شوق، نئی بلند نظری، نیا جذبۂ ایثار، نیا شوق آخرت، نیا جذبۂ زہد و قناعت، دنیا کی متاع حقیر اور دولت فانی کی تحقیر۔ نئی محبت و الفت، حسن سلوک و ہمدردی، برّ و مواسات، امکارم

اخلاق۔ اسی طرح سے نیا ذوقِ عبادت، خوف وخشیت، توبہ و انابت، دعا و تضرع کی دولت عطا فرمائی اور انہی خصوصیتوں کی بنیاد پر وہ نیا اسلامی معاشرہ اور دینی ماحول قائم ہوا۔ جس کو عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام ان مقاصد و نتائج بعثت کے کامل ترین نمائندہ اور بہترین نمونہ تھے اگر ان شعبہ ہائے نبوت کو عام زندگی میں جلوہ گر دیکھنا ہو تو صحابہ کرام کی جماعت کو دیکھ لیا جائے۔

یوں تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و رسالت و تعلیم ان سعادتوں کا سرچشمہ تھی۔ اور اسی سے یہ پوری زندگی اور قرن اول کا اسلامی معاشرہ وجود میں آیا۔ لیکن اگر اس کے طریق عمل کی تفصیل اور اس کے ذرائع و وسائل کی تحلیل کی جائے تو معلوم ہوگا اس محیر العقول انقلاب کا ذریعہ اور اس نئے معاشرہ اور نئی امت کی تشکیل کے عناصر و ارکان یہ تین چیزیں تھیں۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی، آپ کی زندگی، سیرت و اخلاق۔

۲۔ قرآن مجید۔

۳۔ آپ کے ارشادات و ہدایات۔ مواعظ و نصائح اور تعلیم و تلقین۔

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بعثت نبوی کے مقاصد و نتائج کے کامل ظہور میں اور جدید امت کی تعمیر و تشکیل میں ان تینوں عناصر و ارکان کا دخل ہے۔ اور واقعہ بھی یہی ہے۔ کہ ان تینوں کے بغیر ایک مکمل معاشرہ، مکمل زندگی اور ایک ایسی ہیئت اجتماعی جس میں عقائد و اعمال اخلاق، جذبات، اذواق رجحانات، تعلقات سب ہی ہوں وجود میں نہیں آسکتی۔ زندگی کے لئے زندگی شرط ہے۔ یہاں دیئے دیا جلتا ہے۔ صحابہ کرام اور ان کے صحیح جانشینوں کی زندگی میں ہمیں عقائد و اعمال کے ساتھ جو خالص اسلامی اخلاق اور اس سب کے ساتھ جو اعلیٰ اذواق اور گہرے دینی جذبات اور دینی کیفیات نظر آتی ہیں وہ تنہا تلاوت کتاب کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ اس کامل ترین، موثر ترین زندگی کا بھی اثر ہے۔ جو شب و روز ان کے سامنے رہتی تھی۔ اس سیرت و اخلاق کا نتیجہ ہے جو ان کی آنکھوں کے سامنے تھے۔ اور ان مجالس اور صحبتوں کا بھی فیض ہے اور ان ارشادات و نصائح و تلقین کا بھی جس سے وہ حیات طیبہ میں برابر مستفید ہوتے تھے اس کے مجموعہ سے اسلام کا وہ مزاج خاص وجود میں آیا جس میں صرف قواعد و ضوابط اور ان کی قانونی پابندی نہ تھی۔ بلکہ ان پر عمل کرنے کے محرکات و ترغیبات اور عمل کی صحیح کیفیات اور روح بھی تھی۔ حدود کی پابندی اور حقوق کی ادائیگی کے ساتھ لطیف احسانات اور مکارم اخلاق کے دقائق بھی تھے۔

انہوں نے قرآن مجید سے اقامت صلوٰۃ کا حکم پایا تھا اور الذین ھم فی صلاتھم خاشعون کی تعریف بھی سنی تھی۔ مگر انہوں نے اس کی صحیح کیفیت معلوم کی جب آپ کے ساتھ نمازیں پڑھیں

اور آپ کے رکوع و سجود کی کیفیت دیکھی جس کو انہوں نے نسمع لہ ازیزاً کازیز المرجل (ہم آپ کے سینہ کی آواز اس طرح سنتے تھے جیسے ہانڈی میں ابال آتا ہے ۔) کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے انہوں نے قرآن مجید سے سمجھا تھا کہ نماز مومن کا ایک محبوب فعل ہے ۔لیکن جب تک انہوں نے زبان نبوی سے قرۃ عینی فی الصلوٰۃ (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) اور بے قراری اور انتہائے شوق و اضطراب کے ساتھ ارحنی یا بلال (بلال اذان دے کر مجھے آرام پہنچاؤ ۔) نہیں سنا ۔ان کو نماز کے ساتھ اس عشق و شغف کا اندازہ نہیں ہوا ۔اسی طرح جب تک انہوں نے خادمان امت کے سلسلہ میں وقلب معلق فی المسجد حتی یعود الیہ (ان کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہے مسجد سے نکل کر جب تک دوبارہ مسجد میں نہیں آتے ان کو چین نہیں آتا) کے الفاظ نہیں سنے ،ان کو مسجد اور قلب مومن کا باہمی تعلق معلوم نہیں ہو سکا انہوں نے قرآن مجید میں بار بار دعا کی ترغیب دیکھی تھی ۔دعا نہ کرنے والوں پر عتاب بھی سنا تھا ۔اور تضرع و ابتہال (گریہ و زاری اور الحاح و اصرار) کے الفاظ و مفہوم سے بھی وہ آشنا تھے ۔لیکن اس حقیقت کو انہوں نے اس وقت جانا جب انہوں نے میدان بدر میں آپ کو خاک سر پر رکھے یہ الفاظ کہتے سنا کہ

اللہم انشدک عہدک ووعدک اللہم ان شئت لم تعبد[1]

اے اللہ میں تجھے تیرے عہد اور وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں ۔اے اللہ اگر تو چاہے (اس مٹھی بھر جماعت کو ہلاک کرنا) تو تیری عبادت نہ ہو) اور بے قراری کی وہ کیفیت دیکھی جو حضرت ابو بکر رض سے نہ دیکھی جا سکی یہاں تک کہ انہوں نے عرض کیا حسبک (یا رسول اللہ کافی ہے) ان کو معلوم تھا کہ (دعا) کی روح ،بندگی اور اپنی عجز و درماندگی کا اظہار ہے ۔اور جس دعا میں یہ جوہر جس قدر زیادہ ہو اسی قدر وہ دعا قیمتی ہے لیکن بندگی اور عجز و درماندگی کی حقیقت ان کو جب معلوم ہوئی جب انہوں نے عرفات میں آپ کو یہ کہتے سنا ۔

اللھم انک تسمع کلامی و تری	اے اللہ تو میری بات کو سنتا ہے اور میری جگہ
مکانی و تعلم سری و علانیتی	کو دیکھتا ہے ۔اور میرے پوشیدہ اور
لا یخفی علیک شیء من امری	ظاہر کو جانتا ہے ۔تجھ سے میری کوئی بات
و انا البائس الفقیر المستغیث	چھپی نہیں رہ سکتی ۔میں مصیبت زدہ ہوں
المستجیر الوجل المشفق المقر	محتاج ہوں ،فریادی ہوں ۔پناہ جو ہوں

---

[1] بخاری جلد ثانی کتاب المغازی ۔

المعترف بذنبي، اسألك مسألة المسكين و ابتهل اليك ابتهال المذنب الذليل وادعوك دعاء الخائف الضرير ودعا من خضعت لك رقبته وفاضت لك عبرته و ذل لك جسمه و رغم لك انفه اللهم لا تجعلني بدعائك شقيا و كن لي رؤفا رحيما يا خير المسئولين و يا خير المعطين [1]

پریشان ہوں، ہراساں ہوں اپنے گناہوں کا اقرار کرنے والا ہوں۔ اعتراف کرنے والا ہوں۔ تیرے آگے سوال کرتا ہوں جیسے بےکس سوال کرتے ہیں۔ تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں جیسے گناہ گار و ذلیل و خوار گڑگڑاتا ہے اور تجھ سے طلب کرتا ہوں جیسے خوف زدہ آفت رسیدہ طلب کرتا ہے اور جیسے وہ شخص طلب کرتا ہے جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہو اور اس کے آنسو بہہ رہے ہوں اور تن بدن سے وہ تیرے آگے فروتنی کئے ہوئے ہو اور اپنی ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہو۔ اے اللہ تو مجھے اپنے سے دعا مانگنے میں ناکام نہ رکھ اور میرے حق میں بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہو جا۔ اے سب مانگے جانے والوں سے بہتر۔ اے سب دینے والوں سے اچھے۔

انھوں نے قرآن مجید میں دنیا کی بے حقیقی اور آخرت کی پائیداری کا ذکر پڑھا تھا اور

ما الحیوٰۃ الدنیا الا لھو ولعب و ان الدار الاٰخرۃ لھی الحیوان

(دنیا کی زندگی محض کھیل تماشہ ہے اور آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے) کے الفاظ ان کو یاد تھے، مگر اس کی حقیقت اور عملی تفسیر ان کو آپ کی زندگی ہی سے معلوم ہوئی۔ اور آپ کے طرز زندگی اور گھر کے نقشہ کو دیکھ کر ہی وہ سمجھے کہ آخرت کو اصل زندگی سمجھنے کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ اور آخرت کو اصل زندگی سمجھنے والوں اور اللھم لا عیش الا عیش الاٰخرۃ پر ایمان رکھنے والوں کی خانگی زندگی اور معیشت کیا ہوتی ہے [2] اس عملی

---

[1] کنز العمال عن ابن عباس [2] ملاحظہ ہو معارف الحدیث جلد دوم حصہ کتاب الرقاق زیر عنوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی فقر پسندی۔

نقشہ اور اجمالی ترغیب کے ساتھ جب ان کے سامنے ارشادات نبوی میں جہنم کے شدائد و مصائب اور جنت کے انعامات و لذائذ کی تفصیل اور تصویر آتی تو ان کے اندر خوف اور شوق کی ملی جلی کیفیت پیدا ہوتی اور ان دونوں کا نقشہ ان کی آنکھوں کے سامنے ہر وقت کھنچا رہتا۔

اسی طرح وہ رحمت، تواضع، خلق، رفق جیسے اخلاق و تعلیمات کے مفہوم سے نا آشنا تھے۔ صاحب زبان بھی تھے۔ اور قرآن مجید میں صاحب نظر بھی تھے۔ لیکن ان الفاظ کی وسعت عملی زندگی میں ان کی تطبیق نیز صحیح عمل ان کو صرف اس وقت معلوم ہوا جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کمزوروں، عورتوں بچوں، یتیموں، غریبوں، بوڑھوں اور اپنے عام رفقا و اصحاب و اہل خانہ اور خدام کے ساتھ برتاؤ دیکھا اور آپ کی اس بارے میں ہدایات وصیتیں اور ارشادات سنے۔ ان کو عامۃ المسلمین کے حقوق ادا کرنے کی اجمالی ہدایات قرآن سے مل چکی تھیں۔ مگر اس کی بہت سی صورتیں (مثلاً عیادت مریض، اتباع جنائز، تشمیت عاطس وغیرہ وغیرہ) ایسی تھیں جو شاید لاکھوں انسانوں کے ذہن میں خود نہ آتیں اور اگر آتیں تو ان کی اہمیت نہ معلوم ہوتی۔ اسی طرح والدین و اہل عقوق کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم قرآن مجید میں پورے شد و مد کے ساتھ ہے۔ مگر کتنے معلمین اخلاق ہیں جن کا ذہن والدین کے ساتھ حسن سلوک و ادائے حقوق کے اس رفیع و بدیع مقام پر پہنچا جس کا اظہار حدیث نبوی ان من ابر البر برّ الرجل اهل ود ابیه بعد ان یولّی (لڑکے کا باپ کے ساتھ حسن سلوک و وفاداری کا بہترین درجہ یہ ہے کہ اپنے والد کے انتقال کے بعد ان کے دوستوں اور اہل محبت کے ساتھ سلوک کرے)

اور کتنے ذہن ہیں جو وفاداری اور شرافت کے اس بلند مقام تک پہنچ سکتے جس کا اظہار اس روایت سے ہوتا ہے۔

وربما ذبح الشاة ثم یقطعها اعضاء ثم یبعثها فی صدائق خدیجه

اور بکثرت ایسا ہوتا کہ آپ کے یہاں بکری ذبح ہوتی تو آپ اس کے پارچے الگ الگ کراتے پھر وہ ٹکڑے اپنی مرحومہ بیوی خدیجہ سے میل محبت رکھنے والیوں کے یہاں بھیجتے۔

حدیث کے شعبہ معاشرت و اخلاق کی یہ دو تین مثالیں ہیں جن سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حدیث زندگی کے مختلف شعبوں میں کیسی راہنمائی کرتی ہے اور کیسا نیا علم عطا کرتی ہے اور وہ انسانیت کے لئے کیسا بیش بہا خزانہ ہے۔

دوسری طرف مذاہب و ادیان کی تاریخ کا یہ طویل و مسلسل تجربہ ہے کہ محض ایک اجمالی اور قانونی حکم اور ضابطہ کسی عمل کو اپنی صحیح روح اور کیفیات کے ساتھ وجود میں لانے کے لئے کافی نہیں ہوتا

اور وہ فضا پیدا نہیں کرتا جو اس عمل کو مؤثر اور نتیجہ خیز بنانے کے لئے درکار ہے۔ مثال کے طور پر اقامت صلوٰۃ کا اجمالی حکم وہ ذہنیت، ماحول اور فضا نہیں پیدا کر سکتا جو نماز کی روح و جسم کی حفاظت اس کی پابندی اور اس کے صحیح روحانی، ذہنی، قلبی، اجتماعی اور اخلاقی نتائج و اثرات کے بروئے کار آنے کے لئے معاون و مددگار ہے۔ اس کے لئے ان مبادی و مقدمات، آداب و ہدایات کی ضرورت ہے جو اس عمل کو مہتم بالشان، وقیع و مؤثر بنائیں۔ اسی بنا پر نماز کے لئے خود قرآن مجید میں وضو طہارت شعور و تعقل، خشوع و خضوع، سکوت و قنوت اور جماعت کا حکم دیا گیا ہے لیکن اہل نظر سے مخفی نہیں کہ اس میں ضروری و قابل عمل حد تک جس قدر آداب و فضائل اور خارجی انتظامات کا اضافہ ہوگا وہ فضا اور ماحول تیار ہوگا جس میں نماز اپنے پورے ثمرات اور روحانی و اجتماعی و اخلاقی اثرات ظاہر کرے گی اور حدیث و سیرت کا مطالعہ کرنے والے اور ان پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور آپ کے ارشادات ہدایت نے اس میں وہ معقول اضافہ کیا ہے جس سے نماز تزکیہ نفس، تربیت اخلاق اور توجہ الی اللہ و انقطاع عن الخلق نیز امت کی تعلیم و تربیت اور نظم و وحدت کا موثر ترین ذریعہ بن گئی ہے۔ مثلاً:

وضو کی نیت و فضیلت اور اس کا استحضار۔ مساجد کی طرف جانے اور اس کے راستے میں پڑنے والے قدموں کی فضیلت۔ راستہ کی دعا۔ مسجد میں داخل ہونے کا ادب اور ذکر۔ تحیۃ المسجد یا سنن راتبہ۔ نماز کے انتظار کی فضیلت اور بیٹھنے کا ادب۔ جماعت کا ثواب۔ اذان و اقامت کا ثواب۔ امامت کی فضیلت و منصب اور اس کے احکام۔ امام کے اتباع کی تاکید۔ صفوں کی ترتیب۔ اور صفوں میں کھڑے ہونے والے آدمیوں کی ترتیب۔ مساجد میں تعلیم و تعلم کے حلقوں کی فضیلت، ذکر کے حلقوں کی فضیلت، مسجد سے نکلنے اور اس کا ذکر وغیرہ وغیرہ۔

ظاہر ہے کہ ان فضائل نیز ان آداب و ہدایات کے علم و عمل سے نماز کتنی مہتم بالشان چیز، اور تزکیہ و اصلاح، تعلیم و تربیت، اور انابت و توجہ الی اللہ کا کیسا موثر ذریعہ بن جاتی ہے۔ پھر اس کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازوں کی کیفیت۔ نوافل کے ذوق۔ قرآن مجید پڑھنے میں رقت و محویت کے واقعات کا (جو احادیث میں اہتمام کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں) اضافہ کیجئے۔ اس مجموعہ سے امت کی نماز کس مقام تک پہنچ جاتی ہے اور اس کے لئے کیسا ذہنی اور روحانی ماحول تیار ہوتا ہے۔ صوم و زکوٰۃ و حج کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئے اور حدیث سے ان کے آداب و فضائل، معمولات نبوی اور واقعات زندگی کو جمع کر کے غور کرنا چاہئے کہ اگر ان عبادات کو ان آداب و فضائل اور واقعات سے مجرد و منقطع کر لیا جائے اور ان اس ماحول سے جدا

کر لیا جائے جو حدیث ان کے لئے مہیا کرتی ہے اور جواب حدیث کی بنا پر ان کے ساتھ لازم ہوگیا ہے تو ان کی تاثیر کہاں تک باقی رہتی ہے اور ان میں جذبات کو ابھارنے، ذوق وشوق کو پیدا کرنے، استقامت عطا کرنے اور قلب ودماغ کو غذا اور جلا عطا کرنے اور ایک ایسے نئے معاشرہ کی تعمیر کی (جس کے اندر عبادت وتقویٰ وانابت کی روح سرایت کئے ہوئے ہو) کہاں تک صلاحیت باقی رہ جاتی ہے۔

درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور ارشادات وہدایات (جن کے مجموعہ کا معروف نام حدیث وسنت ہے) دین کے لئے وہ فضا اور ماحول مہیا کرتے ہیں جس میں دین کا پودہ سرسبز وبارآور رہتا ہے۔ دین کسی خشک اخلاقی ضابطہ یا قانونی مجموعہ کا نام نہیں۔ وہ جذبات، واقعات اور عملی مثالوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ ان جذبات وواقعات اور عملی مثالوں کا سب سے بہتر اور مستند مجموعہ وہ ہے جو خود پیغمبر کی ذات سے متعلق اور اس کے حالاتِ زندگی سے ماخوذ ہو۔ یہودی اور عیسائی، نیز ایشیا کے دوسرے مذاہب اس لئے بہت جلد مفلوج ہوکر رہ گئے۔ کہ ان کے پاس اپنے پیغمبروں کی زندگی کے مستند واقعات اور ایمان آفریں کلام کا مجموعہ نہیں تھا اور ان مذاہب کو وہ ذہنی ماحول اور فضا میسر نہیں تھی جس میں پیروان مذاہب دینی نشوونما ترقی حاصل کرتے اور مادیت والحاد کے حملوں سے محفوظ رہتے انہوں نے بالآخر اس کی ضرورت کو تسلیم کرکے اس خلا کو پیروانِ مذاہب "پیرانِ طریقت" کے واقعات و ملفوظات سے پُر کیا۔ مگر اس "خانہ پری" نے رفتہ رفتہ مذاہب کو بدعات ورسوم اور نئی نئی تفسیروں کا ایسا مجموعہ بنا دیا جس میں اصل مذہب کی تعلیم گم ہوکر رہ گئی۔ ان مذاہب اقوام کی اپنے پیغمبروں کی سیرت اور مستند واقعات زندگی کے بارے میں بے بضاعتی وتہی دامنی اب ایک مسلمہ حقیقت بن گئی ہے۔ اور اس پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے[1]

اسلام کے آخری اور دائمی مذہب ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ یہ حادثہ اس کو پیش نہیں آیا۔ جس ذہنی وروحانی ماحول میں اور جن ذہنی کیفیات کے ساتھ صحابہ کرام نے زندگی گذاری۔ حدیث کے ذریعہ اس پورے ماحول کو قیامت تک کے لئے محفوظ کر دیا گیا۔ بعد کی نسلوں اور صدیوں کے ایک آدمی کے لئے بالکل ممکن ہے کہ حدیث کے ذریعہ وہ اپنے ماحول سے اپنا رشتہ منقطع کرکے دفعۃً اس ماحول میں پہنچ جائے۔ جہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس موجود ہیں۔ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصروفِ تکلم اور صحابہ کرام گوشِ برآواز ہیں۔ جہاں اس کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایمان کس طرح کے اعمال واخلاق

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو خطبات اور اسی خطبہ

اور یقین آخرت کس طرح کی زندگی پیدا کرتا ہے۔ یہ ایک دریچہ ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی، آپ کے گھر کا نقشہ۔ آپ کے رات کے معمولات، آپ کے گھر والوں کی معاشرت اپنی آنکھوں سے دیکھی جا سکتی ہے۔ آپ کے سجود کی کیفیت آنکھوں سے اور آپ کی دعا و مناجات کا زمزمہ کانوں سے سنا جا سکتا ہے۔ پھر جو آنکھیں آپ کی آنکھوں کو اشک بار اور قدم مبارک کو متورم دیکھیں اور جو کان پوچھنے اور سوال کرنے پر یہ آواز سنیں کہ:-

افلا اکون عبداً شکوراً ۔ کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ ہوں۔

وہ غفلت کا کس طرح شکار ہو سکتے ہیں جن کی آنکھوں نے کاشانۂ نبوت میں دو دو مہینے چولھا گرم ہوتے نہیں دیکھا جنہوں نے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا اور پشت مبارک پر چٹائی کے نشانات پڑے ہوئے دیکھے جس نے سونے کی بیقراری کے ساتھ صدقہ کا بچا ہوا سونا راہ خدا میں خرچ ہوتے دیکھا۔ جس نے مرض وفات میں چراغ کا تیل پڑوسی کے گھر سے قرض آتے دیکھا اس پر دنیا کی حقیقت کیسے چھپ سکتی ہے اور زہد کا جذبہ اس کے اندر کیسے ابھر نہیں سکتا؟ جس نے آپ کو اپنے گھر والوں کی خدمت۔ اپنے بچوں کے ساتھ محبت اپنے خادموں کے ساتھ رعایت، اور اپنے رفقا کے ساتھ عنایت اور اپنے دشمنوں کے ساتھ تحمل فرماتے ہوئے دیکھا۔ وہ مکارم اخلاق اور انسانیت کا درس اس در کو چھوڑ کر اور کہاں سے لینے جائے گا۔

پھر اس ماحول میں کاشانۂ نبوت ہی کا دروازہ نہیں کھلا ہوا ہے جس سے دیکھنے والوں کو یہ سب نظر آتا ہے، بلکہ صحابہ کرام کے گھروں کے دروازے بھی کھلے ہوئے ہیں اور ان کے گھروں کی زندگی و معاشرت، ان کے دلوں کی تپش ان کی شبوں کا گداز۔ ان کے بازاروں کی مصروفیات اور مسجدوں کی فراغت۔ ان کی بے نفسی و للہیت اور ان پر نفس انسانی کے حملے۔ ان کا انفرادی کمال اور ان کی بشری لغزشیں سب عیاں ہیں۔ یہاں ابوطلحہ انصاری کے ایثار کا واقعہ بھی آنکھوں کے سامنے گزرتا ہے۔ اور حضرت کعب بن مالکؓ کے غزوۂ تبوک سے بچھڑ جانے کا قصہ بھی پیش آتا ہے۔ غرض یہ ایک ایسی طبعی و قدرتی ماحول ہے جس میں زندگی اپنے پورے تنوعات و حقائق اور انسانی فطرت اپنے تمام خصائص کے ساتھ موجود ہے۔ اور حدیث نے اس کا پورا عکس لے کر قیامت تک کے لئے دور نبوی کو محفوظ کر لیا ہے۔

قرآن مجید کے ساتھ عہد نبوی کی اس تصویر کا باقی رہنا۔ اسلام کا اعجاز اور اس کا ایسا امتیاز ہے جس میں کوئی مذہب اور کوئی امت اس کی شریک و سہیم نہیں۔ ایک ایسا مذہب جس کو قیامت تک باقی رہنا اور تمام آنے والی نسلوں کو عملی نمونہ اور عمل کے جذبات و محرکات اور قلب و دماغ کی غذا فراہم کرنا ہے ماحول کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ ماحول حدیث کے ذریعہ محفوظ ہے۔ تدوین حدیث کی تاریخ پڑھ کر صاف

معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک اتفاقی امر اور دورِ متاخر کی کوئی جدت نہیں ہے۔ صحابہ کرام کا عہد نبوی ہی میں کتابت حدیث کی طرف متوجہ ہونا اور بہت بڑی تعداد میں احادیث کا محفوظ لینا۔ پھر انہی کے آخر دور میں تابعین کا تدوین و ترتیب کی طرف توجہ کرنا، پھر ایران و خراسان و ترکستان کے طالبین علم کے سمندر کا امنڈ آنا، اس کا جمع و حفظ حدیث سے عشق و شغف ان کا غیر معمولی حافظہ ان کا عزم و عالی ہمتی، پھر اسماء رجال و فن روایت مجتہدین کا پیدا ہونا جن کو ان کا ملکہ راسخہ اور بصیرت کاملہ حاصل تھی۔ پھر ان کا انہاک و خود فراموشی پھر امت کی حدیث کی طرف توجہ اور اس کی عالم اسلام میں مقبولیت اور اشاعت یہ سب واقعات اس بات کا ثبوت ہیں کہ جمع قرآن کی طرح اللہ تعالیٰ کو اس "صحیفۂ زندگی" کو محفوظ کرنا مقصود تھا اس کی بدولت حیات طیبہ کا امتداد و تسلسل باقی رہا اور امت کو اپنے ہر دور میں وہ روحانی۔ ذوقی۔ علمی و ایمانی میراث ملتی رہی جو صحابہ کرام کو براہِ راست حاصل ہوئی تھی۔ اس طرح صرف عقائد و احکام ہی میں "توارث" کا سلسلہ جاری رہا۔ حدیث کے اثر سے عہد صحابہ کا "مزاج و مذاق ایک نسل سے دوسری نسل اور ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ تک منتقل ہوتا رہا اور امت کی طویل تاریخ میں کوئی مختصر سے مختصر عہد ایسا نہیں آنے پایا جب وہ "مزاج و مذاق" یکسر ناپید اور معدوم ہو گیا ہو۔ ہر دور میں ایسے افراد رہے جو صحابہ کرام کے مزاج و مذاق کے حامل کہے جا سکتے ہیں۔ وہی عبادت کا ذوق۔ وہی تقویٰ و خشیت، وہی استقامت و عزیمت، وہی تواضع و احتساب، وہی شوقِ آخرت، وہی دنیا سے بے رغبتی، وہی جذبۂ امر بالمعروف و نہی عن المنکر، وہی بدعات سے نفرت اور جذبہ اتباعِ سنت، جو حدیث کے مطالعہ و شغف کا نتیجہ ہے یا ان لوگوں کی صحبت و تربیت کا فیض ہے جنہوں نے اس مشکوٰۃ نبوت سے روشنی حاصل کی اور اس میراث نبوی سے حصہ پایا [illegible] کا یہ ذہنی و مزاجی توارث قرن اول سے اس چودہویں صدی ہجری کے عہد انحطاط و مادیت تک برابر [illegible] رہا ہے۔

سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک اور امام احمد بن حنبل سے لے کر مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی۔ مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا سید عبداللہ غزنوی رحمۃ اللہ علیہ تک کی زندگی اور سیرت و اخلاق میں ان کا پرتو صاف نظر آتا ہے۔

جب تک حدیث کا یہ ذخیرہ باقی۔ اس سے استفادہ کا سلسلہ جاری، اور اس کے ذریعہ سے عہد صحابہ کا ماحول محفوظ ہے دین کا یہ صحیح مزاج و مذاق جس میں آخرت کا خیال دنیا پر۔ سنت کا اثر رسم و رواج پر، روحانیت کا اثر مادیت پر غالب ہے باقی رہے گا۔ اور کبھی اس امت کو دنیا پرستی، سرتاپا مادیت، انکار آخرت اور بدعات و تحریفات کا پورے طور پر شکار نہیں ہونے دے گا۔ بلکہ اس کے اثر سے ہمیشہ اس امت میں اصلاحی و تجدیدی

(باقی صـ ۶۱ پر)

خطبہ استقبالیہ

آل پارٹیز قومی شریعت کنونشن

منعقدہ ۱۷ جون ۱۹۹۰ء

فلشمین ہوٹل راولپنڈی صدر

سینیٹر مولانا سمیع الحق سیکرٹری جنرل جمعیۃ علماء اسلام

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ۔ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ثم جعلناک علی شریعۃ من الامر فاتبعہا ولا تتبع اھواء الذین لا یعلمون۔ صدق اللہ العظیم

قابلِ صد احترام علماء کرام، مشائخ عظام، زعماء ملت و رہنمایانِ ملت

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

میں جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کی طرف سے آپ سب اکابر و زعماء کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ گوناگوں مصروفیات اور متنوع مشاغل کے باوجود آپ حضرات نے ہماری دعوت کو شرفِ قبولیت سے نوازا اور آل پارٹیز قومی شریعت کنونشن میں شرکت کے لئے تشریف لائے۔

حضرات محترم!

"آل پارٹیز قومی شریعت کنونشن" کا انعقاد جس فضا اور ماحول میں ہو رہا ہے وہ ملک کے ہر باشعور اور حساس شہری کے لئے انتہائی اضطراب انگیز اور روح فرسا ہے۔ کراچی، حیدرآباد اور سندھ کا امن بیرونی ایجنسیوں اور تخریب کاروں کے ہاتھوں تباہ ہو چکا ہے۔ مسلمان کو مسلمان سے لڑانے کے لئے خفیہ خونی ہاتھ بدستور سرگرم عمل ہے۔ اور منتخب اسمبلیوں میں "ہارس ٹریڈنگ" اور نااہلیت کے کھلم کھلا اظہار نے منتخب اداروں کی افادیت کو مشکوک بنا کر رکھ دیا ہے۔ جس کی وجہ سے ملک و قوم کے مستقبل کے بارے میں بے یقینی کے سائے گہرے ہوتے جا رہے ہیں۔ ان حالات میں ملک کی عمومی فضا بھی اس امر کی متقاضی تھی

کہ دینی و سیاسی راہنما سر جوڑ کر بیٹھیں اور ملک و قوم کی کشتی کو اس خطرناک بھنور سے نکالنے کے لئے کوئی سبیل سوچیں۔ لیکن دو اہم اور نازک مسائل بالخصوص آپ حضرات کی توجہ کے طالب ہیں۔ جن پر غور و خوض کے لئے آپ بزرگوں کو یہاں تشریف آوری کی زحمت دی گئی ہے۔

راہ نمایانِ ملت!

ہم صدق دل کے ساتھ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ہمارے موجودہ مصائب و مسائل کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ حصولِ آزادی اور قیام پاکستان کے بعد ملک کے اجتماعی نظام کی تبدیلی کی طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی اور اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ میں اسی نظام کو بدستور باقی رکھا گیا جو برٹش استعمار نے اپنے دورِ تسلط میں نو آبادیاتی مقاصد کے لئے ہم پر مسلط کیا تھا۔ اور بظاہر آزادی حاصل ہو جانے کے باوجود وہ نظام ہمارے معاشرہ میں جدید نو آبادیاتی ماحول کو ابھی تک برقرار رکھے ہوئے ہے۔

اگر ہم گذشتہ چالیس سال کے دوران اقتدار کی خاطر باہمی سر پھٹول کی بجائے اجتماعی نظام کی تبدیلی اور نظریہ پاکستان کے مطابق نظام اسلام کے غلبہ و نفاذ کے لئے سنجیدگی کے ساتھ پیش رفت کرتے تو نہ مشرقی پاکستان ہم سے الگ ہو کر بنگلہ دیش کی شکل اختیار کرتا اور نہ ہی سندھ اور دیگر علاقوں میں علاقائی، لسانی اور نسلی تعصب و نفرت کے یہ تن آور درخت ہم پر اپنے منحوس سائے دراز کرتے۔

زعمائے قوم!

یہی وہ احساس تھا جس نے آج سے پانچ سال قبل مجھے اور میرے رفیق محترم مولانا قاضی عبداللطیف کو سینٹ آف پاکستان میں "شریعت بل" کے نام سے ایک مسودہ قانون پیش کرنے پر مجبور کیا یہ مسودہ قانون جو ملک کے عدالتی نظام کو قرآن و سنت پر عملدرآمد کا پابند بنانے کے ساتھ ساتھ معاشی تعلیمی اور معاشرتی شعبوں میں بھی انقلابی تبدیلیوں کا داعی ہے۔ پانچ سال تک ایوان کے اندر اور باہر قومی حلقوں میں زیر بحث رہا اور ملک کے کم و بیش ہر طبقہ نے اس کی حمایت یا مخالفت میں اپنے نقطۂ نظر کا کھل کر اظہار کیا۔ اس "شریعت بل" کو تمام کی مختلف چھلنیوں سے گذارا گیا اور مختلف اداروں نے اسے غور و فکر کے میزان پر تولا اور ان تمام مراحل سے گذرنے کے بعد "شریعت بل" ۱۳ مئی ۹۰ء کو سینٹ آف پاکستان سے متفقہ منظوری کا اعزاز حاصل کر سکا۔

پاسبانانِ ملک!

"شریعت بل" ایوانِ بالا سے منظوری کی سند حاصل کرنے کے بعد اب قومی اسمبلی کے حوالہ ہو چکا ہے اور اس کے باضابطہ قانون بننے کے لئے ضروری ہے کہ قومی اسمبلی نوّے دن کے اندر اس کی منظوری دے۔ لیکن وزراء کے بیانات اور "شریعت بل" کے خلاف مختلف لابیوں کی پروپیگنڈہ مہم سے یہ اندازہ لگانا کچھ مشکل

نہیں۔ کہ حکمران پارٹی "شریعت بل" کی منظوری سے خوش نہیں ہے اور وہ قومی اسمبلی میں اس کی منظوری کو سبوتاژ کرنے کے لئے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھے گی۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ دینی و سیاسی مکاتب فکر کے زعماء مل بیٹھ کر قومی اسمبلی کے اندر اور باہر مشترکہ جدوجہد کا ایسا لائحہ عمل طے کریں جس کے ذریعے حکمران پارٹی کو "شریعت بل" کی منظوری میں رکاوٹ ڈالنے سے باز رکھا جا سکے۔ تاکہ یہ بل منظوری کے بعد ملک کے اجتماعی نظام میں مثبت اور خوشگوار تبدیلی کا ذریعہ بن سکے۔

زعماء ملت!

اس کے ساتھ ہی وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار سے مالیاتی قوانین کو مستثنیٰ رکھنے کا مسئلہ بھی آپ حضرات کی خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔ وفاقی شرعی عدالت کی تشکیل کے وقت مالیاتی قوانین کو دس سال کے لئے اس کے دائرہ اختیار سے مستثنیٰ کیا گیا تھا اور یہ مدت ماہ رواں میں ختم ہو رہی ہے جبکہ وفاق میں حکمران پارٹی اس امر کے لئے کوشاں ہے کہ آئین میں ترمیم کے ذریعے اس مدت میں مزید اضافہ کر دیا جائے۔ تاکہ سودی نظام کو ملک میں مسلسل برقرار رکھا جا سکے۔

یہ امر کسی وضاحت اور دلیل کا محتاج نہیں ہے کہ "سود" اسلامی شریعت کی رو سے قطعی حرام ہونے کے علاوہ ملک میں استحصالی معاشی نظام کی بنیاد ہے۔ اور ملک کو سرمایہ دارانہ و جاگیردارانہ نظام کے چنگل سے نکالنے کے لئے "سود" کا مکمل خاتمہ اولین شرط ہے۔ قرآن کریم نے "سود" کو نہ صرف حرام اور بے برکتی و نحوست کا باعث قرار دیا ہے۔ بلکہ سودی نظام پر قائم رہنے کو خدا اور رسول خدا کے خلاف جنگ سے تعبیر کیا ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ ملک کے معاشی نظام کو "سود" کی نحوست سے نجات دلانے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے اور استحصالی معاشی نظام کی جڑ کاٹنے کے لئے حکومت کا ہاتھ روکا جائے۔ اور وفاقی شرعی عدالت کے دائرہ اختیار سے سودی نظام کو مزید عرصہ تک مستثنیٰ رکھنے کی مہم کی ڈٹ کر مخالفت کی جائے اور ایسی کسی آئینی ترتیب کو کامیاب نہ ہونے دیا جائے۔

راہ نمایان ذی وقار!

ملک کی موجودہ ناگفتہ بہ صورت حال اور ان دو اہم ترین امور پر غور و خوض کے لئے آپ حضرات کو زحمت دی گئی ہے۔ امید ہے کہ آپ جیسے حساس اور باشعور راہ نماؤں کی گراں قدر آراء و تجاویز اور ارشادات و خیالات سے کوئی ایسا راستہ ضرور طے گا جو ملک کو موجودہ بحران سے نکال کر ایک مکمل اور صحیح اسلامی معاشرہ کی راہ پر گامزن کر سکے۔

جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کی طرف سے ایک بار پھر آپ حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہوئے میں

مولانا شہاب الدین ندوی (انڈیا)

قسط ۲

جہاد فی سبیل اللہ کی حقیقت

۴۔ بنی اسرائیل میں تین افراد تھے۔ ایک برص زدہ۔ دوسرا گنجا اور تیسرا اندھا جن کا طویل قصہ صحیح مسلم میں مذکور ہے۔ مختصر یہ کہ ان تینوں کی آزمائش ہوتی ہے جن میں سے پہلے دو ناکام ہوتے ہیں اور اندھا امتحان میں پورا اترتا ہے۔ اور اپنی سابقہ حالت کو یاد رکھتے ہوئے اپنے محسن سے کہتا ہے۔

فخذ ما شئت ودع ما شئت۔ فواللہ لا اجهدك اليوم شيئا اخذته لله۔

(الحدیث)

ان بکریوں میں سے جتنی چاہو لے لو اور جتنی چاہو چھوڑ دو۔ اللہ کی قسم آج جو کچھ بھی لو گے اس پر میں تمہیں مشقت میں نہیں ڈالوں گا (یا تم پر کوئی تنگی نہیں کروں گا)۔ [۱]

۵۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے۔

فقالوا رجل قد جهده الصيام

(الحدیث)

لوگوں نے کہا کہ یہ ایک ایسا آدمی ہے جسے روزے نے مشقت میں ڈال دیا ہے۔ [۲]

اس بحث سے جہاد کے حسب ذیل معانی و مفہومات ثابت ہوتے ہیں۔

۱۔ کسی بھی قسم کی کوشش یا جدوجہد کرنا، چاہے وہ شخصی اعتبار سے ہو یا دینی اعتبار سے۔

۲۔ دلیل و استدلال کے ذریعہ دین کی دعوت و تبلیغ کرنا۔

۳۔ اللہ کی راہ میں جنگ کرنا یعنی دین و ملت کی مدافعت [illegible] لڑنا۔

۴۔ جہاد کی ایک قسم "جہاد مالی" بھی ہے یعنی جہاد جس [illegible] ولسانی ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ مالی بھی ہو سکتا ہے — وجاهدوا في سبيل الله باموالكم وانفسكم اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ذریعہ جہاد کرو۔

خلاصہ یہ کہ فی سبیل اللہ سے مراد جہاد کا واحد مفہوم نہیں ہے۔ اور جہاد سے مراد ہمیشہ جہاد عسکری (جنگ و جدل) لینا بھی صحیح نہیں ہے۔ بلکہ جس دور میں اس کا جو تقاضا ہو گا اس کے مطابق اللہ کی راہ میں جدوجہد کرنا "جہاد"

ہوگا۔ اگر کسی وقت قتال (جنگ و جدل) کی ضرورت پیش آجائے تو اس وقت قتال کرنا ضروری ہوگا اور جس وقت حالات قتال کی اجازت نہ دیں تو اس وقت دلیل واستدلال کے ذریعہ دعوت و ارشاد ضروری ہوگا۔ مگر مقصود ہر حال میں اعلائے کلمۃ اللہ (خدا کی بات کو اونچا کرنا) مطلوب ہونا چاہیئے۔

فی سبیل اللہ لغت اور اصطلاح میں اس موقع پر ضروری ہے کہ فی سبیل اللہ کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم پر بھی ایک نظر ڈالی جائے تاکہ اس سلسلے کے تمام گوشے روشنی میں آجائیں۔ چنانچہ از روئے لغت "سبیل" واضح اور آسان راستے کو کہتے ہیں۔

السبیل :- الطریق الواضحۃ السھلۃ :- سبیل واضح اور آسان راستے کا نام ہے[1]

السبیل :- الطریق الذی فیہ سھولۃ :- سبیل اس راستے کو کہتے ہیں جس میں سہولت ہوتی ہے[2]

امام راغب تحریر کرتے ہیں کہ سبیل ہر اس راستے کو کہا جاتا ہے جو بطور ذریعہ کسی چیز کے خیر یا شر کی طرف لے جاتا ہو۔ (ویستعمل السبیل لکل ما یتوصل بہ الی شئ خیراً کان أو شراً) چنانچہ وہ اس کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

۱۔ اُدع الی سبیل ربك۔ اپنے رب کے راستے کی طرف بلاؤ۔

۲۔ ولتستبین سبیل المجرمین۔ تاکہ مجرموں کا راستہ ظاہر ہو جائے۔

اور علامہ ابن اثیر (م ۶۰۶ھ) تحریر کرتے ہیں۔

فالسبیل فی الاصل الطریق۔ سبیل اصل میں راستے کو کہتے ہیں۔

وسبیل اللہ عام یقع علی کل عمل خالص سلك بہ طریق التقرب الی اللہ تعالی۔ بأداء المفرائض والنوافل وأنواع التطوعات۔

"اللہ کا راستہ" عام ہے جو ہر خالص عمل کے لئے بولا جاتا ہے۔ جو فرائض و نوافل اور مختلف قسم کے رضاکارانہ اعمال کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرنے کی غرض سے ہو۔

واذا أطلق فھو فی الغالب واقع علی الجھاد، حتی صار لکثرۃ الاعمال کانہ مقصور علیہ

اور جب یہ الفاظ (کلام عرب میں) بغیر کسی قرینے کے مطلقاً بولے جائیں تو غالب طور پر اس سے مراد جہاد ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ کثرت استعمال کے باعث گویا کہ اس معنی کے لئے خاص ہوگیا ہے[4]

---

[1] معجم الفاظ القرآن الکریم ۱/ ۵۶۸ [2] مفردات القرآن ص ۲۲۸ [3] ایضاً

[4] النہایہ فی غریب الحدیث ۲/ ۳۳۸، ۳۳۹

اس موقع پر یہ نکتہ بھی ملحوظ رہے کہ موصوف نے سبیل اللہ کو مطلق ہونے کی صورت میں جہاد کے مفہوم پر دلالت کرنے والا ضرور قرار دیا ہے مگر دوسری طرف وہ یہ بھی بیان کر رہے ہیں کہ یہ قطعی مفہوم نہیں بلکہ "گمان غالب" کے طور پر ہے۔ بالفاظ دیگر اس میں جہاد مراد نہ ہونے کا احتمال بھی موجود ہو سکتا ہے اور دوسری جگہ انہوں نے خود جہاد کی جو تعریف کی ہے اس سے ہر حال میں لڑائی جھگڑا مراد ہونا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ اس میں "علمی جہاد" بھی شامل ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

الجهاد محاربة الكفار وهو المبالغة واستفراغ ما في الوسع والطاقة من قول أو فعل

غرض فی سبیل اللہ سے ہر جگہ جہاد مراد ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ علامہ ابن اثیر کی تصریح کی رو سے عمومی حالات میں اس کا اطلاق ہر قسم کی عبادات پر ہو سکتا ہے۔ خواہ وہ فرائض سے متعلق ہو یا نوافل سے لیکن جہاں پر اس کا اطلاق صرف جہاد ہی پر ہو تو وہاں پر اس سے مراد صرف "عسکری جہاد" یا "فوجی کارروائی" ہونا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ اس میں "لسانی جہاد" اور اس کی مناسبت سے "علمی و قلمی جہاد" بھی داخل و شامل ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ اوپر صفحات میں لفظ جہاد کی تشریح و تفصیل سے بخوبی ظاہر ہو گیا۔ لہٰذا جب یہ دونوں دعوے ثابت نہیں تو پھر معترض اب کن "ٹانگوں" پر کھڑے ہو کر "علمی جہاد" کا مقابلہ کریں گے؟ اسی کو کہتے ہیں ع

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

جہاد اور فی سبیل اللہ فقہا کے نزدیک

واضح رہے کہ جہاد اور فی سبیل اللہ کے بارے میں مذکورہ بالا تشریح و تفسیر صرف ائمہ لغت ہی کی نہیں بلکہ خود ہمارے علماء و فقہا نے بھی ان کو شرح و تفسیر کے انداز میں کی ہے۔ اور خاص کر جہاد کے اس "دعوتی پہلو" کو بھی نمایاں کیا ہے اس لحاظ سے قدیم فقہاء کے فی سبیل اللہ سے جو عموماً جہاد مراد لیا ہے اس کی رو سے جہاد بمعنی قتال پر اصرار کرنا قطعاً بے معنی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ محقق علمائے امت نے جہاد کے مفہوم میں وسعت پیدا کرتے ہوئے اس دین حق کی دعوت اور اس کی نشر و اشاعت کو بھی شامل کر لیا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن ہمام صاحب فتح القدیر میں جہاد کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:۔

غلب في عرفهم على جهاد الكفار وهو دعوتهم الى الدين الحق، وقتالهم ان لم يقبلوا

اہل عرب کے عرف میں اس کا اطلاق غالب طور پر کافروں سے جہاد کرنے پر ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں دین حق کی دعوت دی جائے اور اگر وہ اسے قبول نہ کریں تو ان سے جنگ کی جائے [1]

---

[1] حوالہ سابق ۱/۳۱۹

نیز موصوف نے جہاد کی تعریف سے پہلے اس کا مقدمہ اس طرح قائم کیا ہے۔ کہ جہاد در اصل خدا کی بات کو اونچا کرنے کی غرض سے دنیا سے فتنہ و فساد کو دور کرنا ہے جیسا کہ ان کی اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔

وھو اخلاء العالم من الفساد۔ یکون کل منھما حسنا لحسن غیرہ۔ وذالک الغیر وھو اعلاء کلمۃ اللہ تعالیٰ [1]

ملک العلماء علاؤ الدین کاسانی نے جہاد کی تعریف اس سے زیادہ بہتر الفاظ میں کی ہے۔

وأما الجهاد في اللغة فعبارة عن بذل الجهد (بالضم) وهو الوسع والطاقة أو عن المبالغة في العمل من الجهد (بالفتح) وفي عرف الشرع يستعمل في بذل الوسع والطاقة بالقتال في سبيل الله عز وجل، بالنفس والمال واللسان أو المبالغة في ذلك۔

جہاد کے معنی لغت میں طاقت خرچ کرنے یا کسی کام میں مبالغہ کرنے کے ہیں۔ اور شریعت کی اصطلاح میں اس سے مراد اللہ کی راہ میں لڑنے کی غرض سے طاقت خرچ کرنے یا اس راہ میں مبالغہ کرنے خواہ وہ نفس کے ذریعہ ہو یا مال کے ذریعہ ہو یا زبان کے ذریعہ [3]

دیکھئے اس تعریف کے مطابق اللہ کے راستے میں لڑنا یا جہاد کرنا صرف بدنی اعتبار ہی سے ضروری نہیں بلکہ وہ مالی و لسانی اعتبار سے بھی صحیح ہے۔ اور "جہاد لسانی" ہی کا دوسرا نام "دعوت و تبلیغ" ہے چنانچہ موصوف نے اس کی مزید تشریح آگے چل کر خود اپنے الفاظ میں اس طرح کی ہے۔

ولأنا ما فرض له الجهاد، وهو الدعوة إلى الإسلام وإعلاء الدين الحق ودفع شر الكفرة وقهرهم يحصل بقيام البعض به

کیونکہ جہاد فرض کرنے کا جو مقصد ہے یعنی اسلام کی دعوت، دین حق کا غلبہ۔ کافروں کے شر سے بچاؤ اور انہیں دبا کر رکھنا۔ وہ جہاد کی بعض صورتوں سے حاصل ہو سکتا ہے [4]

اور حافظ ابن حجرؒ نے بخاری شریف کی شرح فتح الباری میں جہاد کی جو شرح و تفصیل کی ہے وہ بڑی محققانہ اور فکر انگیز ہے جس کے مطابق جہاد جس طرح ہاتھ کے ذریعہ ہو سکتا ہے اسی طرح وہ مال کے ذریعہ، زبان کے ذریعہ اور قلب کے ذریعہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور یہ بات قرآن و حدیث کی تصریحات (نصوص) کے

---

[1] فتح القدیر شرح ہدایہ، کتاب السیر ۵/۱۸۷ مطبوعہ کوئٹہ۔ [2] ایضاً [3] بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۷/۹۷ مطبوعہ کراچی [4] ایضاً ۷/۹۸۔

[کے] مطابق ہے (اس کی تفصیل آگے آرہی ہے جہاں پر معترض نے ڈنڈی مار کر موصوف کے معنی و مفہوم کو عمداً بگاڑنے اور دین و شریعت میں تحریف کرنے کی کوشش کی ہے) اس موقع پر ابن حجر کی وہ عبارت پیش کی جاتی ہے جس کو انہوں نے علامہ ابن دقیق العید کے حوالے سے تحریر کیا ہے ۔

القیاس یقتضی أن یکون الجہاد أفضل الاعمال التی ھی وسائل ۔ لأن الجہاد وسیلۃ الی اعلان الدین ونشرہ واخماد الکفر ودحضہ۔

قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ جہاد ان تمام اعمال سے زیادہ افضل ہو جو مسائل سے متعلق ہیں ۔ کیونکہ جہاد دین کے اعلان اور اس کی نشر و اشاعت اور کفر کو ملیامیٹ کرنے کا (سب سے بڑا) وسیلہ ہے [1]

جہاد کا اصل مقصد اوپر کی بحث سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ جہاد کا اصل اور سب سے بڑا مقصد اسلام کی نشر و اشاعت اور اعلائے کلمۃ اللہ (یعنی اللہ کی بات کو اونچا کرنا اور کلمہ کفر کو پست اور نیچا کرنا) ہے اور یہ بات متعدد حدیثوں سے بھی ثابت ہے ۔ چنانچہ ایک حدیث کے الفاظ ہیں

من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا فھو فی سبیل اللہ ۔

جو اللہ کی بات کو اونچا کرنے کی غرض سے لڑا وہ اللہ کے راستے میں ہے [2]

اس موقع پر ایک قابل غور بات یہ بھی ہے کہ اسلامی اصولوں کے مطابق خود جہاد و قتال کے موقع پر بھی کافروں کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرنی ضروری ہے ۔ اس کے بغیر قتال جائز نہ ہو گا ۔ جیسا کہ یہ بات متعدد حدیثوں سے ظاہر ہوتی ہے ۔ چنانچہ امام ترمذی نے ایک باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے ۔

باب ما جاء فی الدعوۃ قبل القتال ۔ یعنی جنگ سے پہلے دعوت دینے کا بیان ۔

اس باب کے تحت موصوف نے ایک حدیث بیان کی ہے ۔ جس کے مطابق ایک اسلامی لشکر فارس کے ایک قلعہ کا محاصرہ کر لیتا ہے ۔ جس کے امیر حضرت سلمان فارسی تھے ۔ اس موقع پر اہل لشکر اپنے امیر سے پوچھتے ہیں کہ کیا ہم جنگ شروع کر دیں ؟ تو اس پر صحابی مذکور فرماتے ہیں :۔

دعونی ادعوھم ، کما سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدعوھم

مجھے ان لوگوں کے سامنے (دین کی) دعوت پیش کرنے دو جیسا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کو دعوت پیش کرتے ہوئے سنا ہے [3]

---

[1] فتح الباری از حافظ ابن حجر ۶/۵ مطبوعہ دار الافتاء ریاض [2] بخاری کتاب الجہاد ۳/۲۰۶ (استنبول) مسلم کتاب الامارۃ ۳/۱۵۱۲ مطبوعہ ریاض ۔ مسند احمد ۱/۴۱۶ بیروت [3] جامع ترمذی کتاب السیر ۴/۱۱۹ ۔ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی ۔

اسی طرح امام بخاریؒ کے معاصر اور مشہور محدث امام عبداللہ دارمیؒ (م ۲۵۵ھ) نے اپنی مشہور کتاب حدیث "سنن دارمی" میں ایک باب کا عنوان اس طرح قائم کیا ہے۔

باب فی الدعوۃ الی الاسلام قبل القتال۔ جنگ و جدل سے پہلے اسلام کی طرف بلانے کا بیان اور اس باب کے تحت کئی حدیثیں درج کی ہیں جن میں سے ایک اس طرح ہے۔

عن ابن عباس قال۔ ما قاتل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قوماً حتی دعاھم

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قوم سے اس وقت تک جنگ نہیں کی جب تک کہ انہیں دین کی دعوت نہ دی[1]

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اصل جہاد اور اس کی روح اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور اس کا پرچار ہے۔ اگر وہ پرامن طریقے سے حاصل ہو جائے تو جنگ کرنے کی نوبت نہیں آئے گی۔ اور چونکہ آج دنیا بھر کے مسلمان اس قسم کا "اقدامی جہاد" کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ لہٰذا اب انہیں "پرامن جہاد" کو اپنانے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں رہ جاتا۔ اور موجودہ "نظریاتی دور" میں یہی بات زیادہ بہتر اور مناسب بھی نظر آتی ہے۔ ہاں اگر مسلمان اقدامی جہاد کرنے کے موقف میں ہوتے تو بات اور تھی۔ یہ قرآن اور حدیث کی تمام تعلیمات کا خلاصہ اور اس کا نچوڑ ہے۔ اور خود مکی اور مدنی زندگی کے حالات سے بھی ایسا ہی ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان جب تک مکہ میں رہے انہیں جہاد یا قتال کرنے کی قطعاً اجازت نہیں تھی۔ مگر جب مدنی دور میں انہیں طاقت و شوکت حاصل ہوگئی تو حالات دفعتہً بدل گئے۔ حالانکہ نفس "جہاد" خود مکی زندگی میں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ ہی فرض ہو گیا تھا۔ جیسا کہ ایک حدیث سے اس حقیقت پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔

الجہاد ماضٍ منذ بعثنی اللہ الیٰ ان یقاتل آخر امتی الدجال

جہاد اس وقت سے جاری و نافذ ہے جب سے کہ اللہ نے مجھے مبعوث فرمایا۔ یہاں تک کہ میری امت کا آخری شخص دجال سے جنگ نہ کر لے[2]

ظاہر ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے پہلے ہی دن سے جہاد نافذ ہونے کا مطلب سوائے پرامن تبلیغ کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ اب اس پرامن تبلیغ کو آپ چاہے دعوت و ارشاد کا نام دے لیجئے

---

[1] سنن دارمی ۲/ ۲۱۷ مطبوعہ بیروت۔ یہ حدیث مسند احمد ۱/ ۲۳۱۔ اور مستدرک حاکم ۱/ ۱۵ میں بھی مذکور ہے [2] ابو داؤد کتاب الجہاد ۳/ ۴۰ مطبوعہ حمص (شام)

یا علمی و قلمی جد و جہد کا۔ حالات جیسے مناسب ہوں ویسا ہی طریقہ کار اختیار کیا جا سکتا ہے۔

فلسفیانہ نقطۂ نظر سے جہاد کی سب سے بہتر تشریح امام ابن قیم (م ۷۵۱ھ) نے کی ہے جو بڑی ہی بصیرت افروز ہے۔ جس کے ملاحظہ کے بعد اس سلسلے کے تمام عقدے حل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ موصوف تحریر کرتے ہیں۔

"جہاد چونکہ اسلام کی چوٹی ہے اس لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے راستے میں قلب کے ذریعہ ہر طرح سے جہاد کر کے اس کا حق ادا کر دیا ہے اور اس اعتبار سے آپ کے تمام اوقات قلبی جہاد، لسانی جہاد کے لئے وقف تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی بعثت کے ساتھ ہی آپ کو جہاد کا حکم دے دیا تھا جیسا کہ حسب ذیل آیات سے ظاہر ہوتا ہے۔"

ولو شئنا لبعثنا فی کل امۃٍ نذیراً۔ فلا تطع الکٰفرین وجٰھدھم بہ جھاداً کبیراً۔

اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ڈرانے والا بھیج دیتے۔ (لیکن ایسا کرتے ہوئے ہم نے ایک جامع کلام نازل کر دیا ہے) لہٰذا تو کافروں کی بات مت مان اور اس قرآن کے ذریعہ ان کے ساتھ بہت بڑا جہاد کر۔ (فرقان ۵۱، ۵۲)

یہ مکی سورت ہے جس میں کفار کے ساتھ دلیل و استدلال اور تبلیغ قرآن کے ذریعہ جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح سورۂ توبہ کی آیت ۷۳ کے مطابق منافقین کے ساتھ بھی (علمی) جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے[1]

حاصل بحث یہ کہ اول تو فی سبیل اللہ سے لازمی طور پر جہاد مراد ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ یہ صرف ایک احتمال ہے۔ اور پھر اس سے جہاد مراد لینے کی صورت میں بھی جہاد سے مراد لازمی طور پر جنگ و جدال مراد لینا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ اس میں اسلام کی دعوت اور اس کی تبلیغ و اشاعت کا مفہوم بھی شامل ہے۔ اس تشریح و تفصیل سے معترض کے تمام ہوائی قلعے مسمار ہو جاتے ہیں۔ اور ان کا طلسم پوری طرح ٹوٹ جاتا ہے۔

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو نظر آئے گا کہ جن فقہا اور مفسرین نے فی سبیل اللہ (توبہ ۶۰) کی تفسیر جہاد کے لفظ سے کی ہے اس سے یہ اختلاف محض لفظی بن کر رہ جاتا ہے۔ معنوی طور پر کوئی اختلاف دکھائی نہیں دیتا کیونکہ اس تحقیق کی رو سے جہاد قولی یا علمی اصل ہے اور جہاد عسکری (فوجی) کی حیثیت ثانوی قسم کی ہے لہٰذا اب اگر "جمہور" کے مسلک ہی کو معتبر قرار دیا جائے تو اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ اصل میں

(باقی ص ۳۵ پر)

---

[1] خلاصہ از زاد المعاد از ابن قیم، مرتبہ شعیب ارناؤط، ۳/ ۵۔ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت دسواں ایڈیشن ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء

ٹینڈر نوٹس

زیر دستخطی کو برائے سال ۹۱-۱۹۹۰ء کے لئے مندرجہ ذیل کلوذنگ اشیاء کی ضرورت ہے جس کی سپلائی کے لئے حکومت سے منظور شدہ ٹھیکیداروں سے سربمہر ٹینڈر مورخہ ۹-۷-۹۰ تک دفتر ایس ایس پی پولیس لائن پشاور، بمعہ متعلقہ نمونہ جات پہنچ جانے چاہئیں۔

ہر ٹینڈر کے ساتھ مبلغ پانچ ہزار (۵۰۰۰/-) روپیہ بنک ڈرافٹ کال ڈیپازٹ ہونا ضروری ہے۔

زیر دستخطی کوئی بھی یا تمام ٹینڈر وجہ بتائے بغیر منسوخ کرنے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

۱۔ پی ٹی شوز ۴۰۰ جوڑے

۲۔ پاسبان ۸۰۰۰ عدد

۳۔ بلیو ڈوری ۴۰۰ عدد

۴۔ ڈرائیور بوٹ ۲۰۰ جوڑے

۵۔ کے ٹی یونیفارم زنانہ ۔ قمیص و شلوار ۷۰ جوڑے

۶۔ جراب بلیو ۱۵۰۰۰ جوڑے

۷۔ مچھر دانی ۲۰۰ عدد

۸۔ جھنڈا پاکستانی ریشمی ۔ ۱۵ عدد

۹۔ جھنڈا پاکستانی برائے مردہ ۲ عدد

۱۰۔ ڈنڈا پولیس ۴۰۰ عدد

مزید تفصیلات دفتر ہذا سے دفتری اوقات میں حاصل کی جا سکتی ہے۔

(محمد یعقوب خان ۔ ایس ایس پی پشاور)

INF(P) 2471

جناب ڈاکٹر ابو سلمان، شاہجہانپوری

تحریک ہجرتِ افغانستان ۱۹۲۰ء کے مختلف کردار، شخصیات اور اثرات

۱۹۲۰ء میں مسلمانانِ برعظیم پاک و ہند کی ہجرتِ افغانستان کی تاریخ افکار اور قطعی دستاویزات کی روشنی میں معروف سکالر جناب ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہانپوری نے پہلی مرتبہ اس کے مختلف کردار، جماعتوں، شخصیات اور ان کے عزائم و اہداف سے نقاب اٹھایا ہے اور بتایا ہے کہ اس میں آغا خان، اہل تشیع اور محمد علی جناح اپنے مذہبی عقائد کی روشنی میں کن مقاصد کے تحت مصروفِ عمل تھے۔ ان کے عمل اور کردار کا ہدف کیا تھا اور کیا ہونا چاہیئے تھا۔ پھر اس کے جو نتائج نکلے وہ مختلف جماعتوں اور شخصیات کے عقائد اور فکری پس منظر کی روشنی میں غیر متوقع ہرگز نہ تھے۔ امید ہے کہ قارئین بھی اس مختصر مگر دور رس نتائج پر مشتمل تحریر کی قدر کریں گے (عبدالقیوم حقانی)

تحریک ہجرت افغانستان ۱۹۲۰ء کے سلسلے میں ایک اہم سوال یہ ہے کہ اس سے ہماری قومی اور سیاسی زندگی کو فائدہ پہنچا یا نقصان؟ جس طرح سیلاب آتا ہے تو تباہی و بربادی اس کے جلو میں آتی ہے۔ لیکن اپنے پیچھے زرخیزی چھوڑ جاتا ہے اور بارش جب زمین کے لئے حیاتِ تازہ کا پیغام لے کر آتی ہے تو بعض اوقات کھیتیاں تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔ اس طرح کسی قوم کی زندگی میں تحریکیں ہوتی ہیں۔ بعض تحریکیں سیلاب کی طرح ہوتی ہیں بعض کی مثال بارش میں ڈھونڈھنی چاہیئے۔ ان کے نفع و نقصان کے اندازے کے لئے کوئی پیمانہ ایجاد نہیں ہوا جس سے ناپ کر فیصلہ کر دیا جائے کہ اتنا نفع اور اتنا نقصان ہوا۔

تحریک ہجرت کی بدولت قوم کو بہت نقصان اٹھانے پڑے سینکڑوں خاندان تباہ و برباد ہوئے لیکن اس واقعے سے ملک کی آزادی اور اسلامی ممالک کی آزادی اور ان کی سیاست سے برصغیر کے

مسلمانوں کی دلچسپی کا اندازہ بھی ہو گیا۔ اور اس سے یہ بھی پتا لگ گیا کہ مسلمان قومی اور ملی زندگی کے استحکام کے لئے ایثار و قربانی کی راہ میں کتنی دور تک جا سکتے ہیں اور کیا کچھ کر سکتے ہیں۔

اس تحریک کی وجہ سے جو نقصان ہوئے تھے ان میں برٹش استعمار کے حصے کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے اس تحریک کو در پردہ ناکام بنانے کے لئے اندرون ملک سے بیرون ملک تک برٹش استعمار کے ہزاروں ایجنٹوں نے کام کیا۔ ان ایجنٹوں کی ریشہ دوانیوں نے مہاجروں میں تفرقہ پیدا کی۔ ان کے مختلف گروپوں کو ایک دوسرے سے بدظن کیا۔ ان کے درمیان نفرتوں کے بیج بوئے، ہندوستان میں مسلمانوں کو ہجرت پر اکسایا اور افغانستان میں مقامی اور غیر مقامی کا مسئلہ پیدا کیا۔ اختلافات کو ہوا دی۔ مقامی حضرات کو مہاجروں کے خلاف بھڑکایا۔ ملک کے لئے ان کے وجود کو مصیبت ٹھہرایا۔ زمینوں کے دیئے جانے۔ ان کے روزگار فراہم کرنے اور سرکاری دفتری نظام میں ان کی خدمات کو مقامی لوگوں کے حقوق پر ڈاکہ اور استحصال ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اس طرح سندھ اور سرحد کے مسلمان خاندانوں کو جتنا نقصان پہنچا اس سے کہیں زیادہ نقصان برٹش حکومت کے ایجنٹوں نے تحریک ہجرت اور قومی و ملی زندگی کو پہنچایا۔

انگریزوں نے ملک کی ایک نامور مسلمان اور ذہین شخصیت کو افغانستان میں بطور سفیر بھیج کر تحریک کو سبوتاژ کرانے کا پروگرام بنایا تھا۔ آخر انگریز ایسا کیوں چاہتا تھا۔ مسلمانوں کو نقصان سے بچانے کے لئے یا وہ اپنے مفاد میں تحریک کو سبوتاژ کرنا چاہتا تھا؟

ہمیں ہجرت جیسی ملی تحریک کے نفع و نقصان کو صرف سندھ اور سرحد کے میدانوں میں تلاش نہ کرنا چاہیے بلکہ یہ بھی سوچنا چاہیے کہ تحریک ہجرت سے افغانوں کی سیاسی بیداری کا ایک دور شروع ہوا۔ افغانستان کی آزادی کی تحریک میں ہندوستانی انقلابی عنصر کی شمولیت سے تقویت پیدا ہوئی۔ اور افغانستان سے برٹش حکومت کی صلح اور ایک باعزت سمجھوتے میں اس پر دباؤ بڑھا۔ افغانستان کو ہندوستان کی آزادی کی تحریک کے خلاف استعمال کئے جانے کا آئندہ کے لئے سدباب ہو گیا۔

تحریک ہجرت کو ایک جنون ہی تصور کر لیا جائے تب بھی یہ سراسر نقصان کا سودا نہ تھا۔ اس کی بدولت مسلمانوں کی تحریک خلافت اور ہندوستان کی تحریک استقلال کا شہرہ دنیا کے کونے کونے تک پہنچ گیا۔

تحریک ہجرت کا ایک اور فائدہ ہوا۔ ایسا فائدہ جو خلافت کے وفد یورپ سے بھی نہ ہوا تھا۔ وہ یہ کہ تحریک ہجرت کی بدولت ہندوستان کے عوام اور مسلمانوں کی بے چینیوں، ہندوستان کے سیاسی مسئلے اور آزادی کی جدوجہد اور اس کے مقاصد سے ایران، روس اور ترکی کے لوگوں کو قریبی بلکہ براہ راست واقفیت ہوئی۔ تحریک آزادی ہند میں ایک انقلابی عنصر کا اضافہ ہوا۔ اس عنصر کا تعلق بیرون ملک کی

ایک انقلابی فکر اور جماعت سے تھا۔ اس کے دو فائدے ہوئے۔

۱۔ روس کی انقلابی حکومت کو ہندوستان کی آزادی کے مسئلے سے گہری دلچسپی اس کے بعد ہی ہوئی اور یہ اسی کا اثر تھا کہ

۲۔ حکومت ہند اور برٹش استعمار کو تشدد کی پالیسی پر نظر ثانی کرکے اپنا سختی اور تشدد کا رویہ بھی تبدیل کرنا پڑا۔

بلاشبہ اس بیرونی انقلابی فکر کے اثرات ہندوستانی نوجوان پر بھی پڑے۔ لیکن یہ اثرات گنتی کے نوجوانوں کے ذہنوں تک محدود تھے۔ ملک کی عام زندگی پر نہ اس کا کوئی اثر پڑا تھا اور نہ ملک میں کوئی انقلاب رونما ہوا۔

پھر اس حقیقت کو نظر انداز نہ کرنا چاہئے کہ جن نوجوانوں نے ان اثرات کو قبول کیا تھا، وہ اپنے ماحول، پس منظر، خیالات، اعمال، اپنی تعلیم اور تربیت کے لحاظ سے پہلے ہی کتنے مسلمان تھے۔ جن کے انقلاب فکر و حال کا ماتم کیا جائے۔ وہ پہلے ہی ایک غیر اسلامی و جاہلی زندگی گذار رہے تھے۔ بعد میں بھی ان کی زندگی وہی رہی۔ وہ جتنے اور جیسے مسلمان پہلے تھے ویسے ہی اس فکر کو اختیار کرلینے کے بعد تھے۔

اگر انگریزوں نے شروع میں تحریک کو ڈھیل دی تھی تو اس لئے کہ مسلمانوں کا جوش نکل جائے مہاجرین کے واپس آنے پر کسی قسم کی رعایت یا مدد کی تو اس لئے کہ آئندہ کسی تحریک میں حصہ لینے سے انہیں روکا اور دبایا جاسکے۔

تحریک کے مخالفین اور رد عمل کسی تحریک میں مختلف اسباب، افکار، عقائد اور مصالح ذاتی و اجتماعی کی بنا پر حمایت یا مخالفت کی جاتی ہے۔ اس لئے کسی مسئلے میں ہر شخص کے عمل و اقدام کو یکساں حیثیت نہیں دی جاسکتی۔ مسئلہ خلافت اور تحریک ہجرت کے بہت سے مؤید تھے اور بہت سے مخالف۔ اور ان سب کی حمایت یا مخالفت کے مختلف وجوہ تھے۔ مثلاً :-

۱۔ ایک شخص خلافت کا ایک خاص عقیدہ رکھتا ہے۔ وہ اپنے عقیدے کے مطابق خلافت کے منصب کے حفظ و دفاع کو اپنا مذہبی فرض سمجھتا ہے۔ اس کے ساتھ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ ترکوں کے ساتھ سیاسی طور پر ناانصافیاں ہوئی ہیں اور مسلسل ہو رہی ہیں وہ ان کی تلافی بھی چاہتا ہے وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ ترکی اور تمام اسلامی ممالک کے مصائب کی علت ہندوستان کی غلامی ہے اس لئے وہ نہایت خلوص کے ساتھ ملک کی آزادی کی جدوجہد بھی کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس عمل میں ایک خاص جوش جذبہ اور فدائیت بھی ہوگی۔

۲- دوسرا شخص خلافت کے عقیدے اور مسلک ہی کو نہیں مانتا۔ اس کے عقیدے کے مطابق ترکی کا عثمانی خاندانی کسی اور کے حق خلافت کا غاصب ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ تحریک خلافت کو مدد پہنچانے اور تحریک ہجرت میں حصہ لینے سے اُس کے عقیدے کے برعکس ترکی خلافت یا منصب خلافت کو فائدہ پہنچ سکتا ہے اس لئے اس شخص کا رویہ اور عمل اوّل الذکر شخص سے بالکل مختلف ہوگا۔

۳- تیسرا شخص نہ عثمانیوں کو خلافت کا حق دار سمجھتا ہے اور نہ انہیں مسلمان خیال کرتا ہے جو اصلاح احوال کے لئے ہندوستان اور ترکی میں کوشاں ہیں۔ وہ نہایت دیانت کے ساتھ اپنے مطالعے اور مشاہدے کی بنیاد پر ترکوں پر انگریزوں کو ترجیح دیتا ہے۔ اس کی مخالفت تحریک خلافت کی اصل بنیاد یہی ہے۔

۴- چوتھا شخص نہایت سنجیدگی اور علمی دیانت کے ساتھ خلافت کا حق قریش میں محدود سمجھتا ہے لیکن چونکہ عثمانیوں نے خلافت قائم کرلی ہے۔ اس پر صدیاں گذر چکی ہیں۔ ان کی ایک عظیم الشان تاریخ ہے ۔ اس لئے ان کی خلافت نہ سہی حکومت کو جائز سمجھتا ہے۔ لیکن جب ایک سید زادہ (حسین ، شریف مکہ) کسی کے ایما و اشارے پر معصیت خروج پر کمربستہ ہوتا ہے اور خلافت سے بغاوت کرتا ہے تو اس کے پس منظر کو جانتے بوجھتے کہ اس کا مقصد اسلامی حکومت یا منصب خلافت کی تنقیص و تقطیع ہے۔ وہ اس کے خلاف نہ کوئی اقدام کرتا ہے نہ لب کشائی۔ اس کے رویے کی کسوٹی پہلے شخص کا کیریکٹر نہیں ہوسکتا۔

۵- پانچواں شخص اسلام ہی کو نہیں مانتا۔ خلافت کے عقیدے پر ایمان یا اس سے انکار کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن وہ یہ سمجھتا ہے کہ سیاسی طور پر ترکوں کے ساتھ ناانصافی ہو رہی ہے۔ وہ صرف سیاسی پہلو کے لئے تحریک خلافت کی تائید کرتا ہے اور مسلمانوں کا ساتھ دیتا ہے۔

کیا ہم کوئی ایسا اصول وضع کرسکتے ہیں کہ تحریک خلافت اور تحریک کے ہر حمایتی اور ہر مخالف کو اس اصول کی کسوٹی پر کس اور پرکھ کر اس کے کیریکٹر کے بارے میں فیصلہ کردیں؟

اگر ہم تحریک خلافت، او ترک موالات کے پروگرام اور ہجرت کے عمل کے حامیوں اور مخالفوں پر نظر ڈالیں تو ان کے عمل کے پس منظر میں افکار و عقاید کا یہ اختلاف و تباین صاف نظر آجائے گا۔ اس سے ہمیں یہ فیصلہ کرنے میں آسانی ہوگی کہ

مولانا محمد علی، شوکت علی، ابوالکلام آزاد ظفر علی خان
ہز ہائی نس سر آغا خاں، جسٹس امیر علی۔ قائد اعظم محمد علی جناح
بریلوی مکتبہ فکر اور

فرنگی محل لکھنؤ کے علمار کرام اور
مہاتما گاندھی اور غیر مسلموں کو کن خانوں میں رکھا جائے ۔

یہی خانے درحقیقت ان حضرات کے کیریکٹر کی کسوٹی ہیں۔ ایک مسلمان کے لئے خلافت کی راہ میں سب کچھ لٹا دینا ہی اس کے ایمان اور اس کے اسلامی کیریکٹر کا ثبوت ہے۔ لیکن جو شخص خلافت کے منصب کو قریش یا اہل بیت کا غصب شدہ حق سمجھتا ہے اس کے ایمان کا ثبوت اور کیریکٹر کا معیار یہ قرار پائے گا کہ وہ غصب شدہ منصب خلافت کی روایت کے حفظ و دفاع کے ہر عمل کی مخالفت کرے اور کوئی ایسا قدم نہ اٹھائے جس سے بالواسطہ یا بلا واسطہ خلافت کی روایت کے حفظ و دفاع میں فائدہ اٹھایا جاسکے۔ چونکہ تحریک ہجرت میں خلافت ہی کا مفاد پوشیدہ تھا۔ اس لئے تحریک ہجرت کی مخالفت کرنا بھی ان کا مذہبی فریضہ تھا۔ اس بارے میں ہمیں ان کا شکوہ سنج ہونے کے بجائے ان کے کیریکٹر کی خوبی کا اعتراف کرنا چاہیے لیکن ایسے شخص کی رائے کا حوالہ خلافت کی تحریک یا ہجرت کے عمل میں اور اس سے تحریک کے صحیح یا غلط ہونے پر استدلال کرنا درست نہیں ہو سکتا ۔

بقیہ جہاد

معترض نے جو جنگ چھیڑی ہے وہ اصطلاحات کی جنگ ہے، حقائق کی نہیں۔ انہوں نے چند اصطلاحات کو بنیاد بنا کر ''علم'' کے خلاف ایک جارحانہ حملہ کر دیا ہے حالانکہ ان اصطلاحات کے جو معنی ہیں وہ ''دو رخی'' ہیں۔ یعنی فی سبیل اللہ اور جہاد دونوں ایسے سکوں کی طرح ہیں جن کے دو رخ ہوں ایک رخ مثالی (جنگ و قتال کا) ہے۔ تو دوسرا علمی ہے۔ مگر معترض کو صرف اس کے پہلے مفہوم پر اصرار ہے اور دوسرے سے انکار ہے۔ یعنی وہ دنیا والوں کو سکہ کا صرف ایک ہی رخ دکھا کر چھپانا چاہتے ہیں لہٰذا اس موقع پر راقم سطور کو یہی مستور شدہ رخ ظاہر کرنا ہے۔ اور یہ بھی ''علمی جہاد'' ہی کی ایک قسم ہے جو اس موقع پر خود معترض کے خلاف کی جا رہی ہے۔

اصل میں معترض اور ان کے ہم نواؤں کو یہ غم کھائے جا رہا ہے کہ اگر علمی و اشاعتی ادارے بھی زکوٰۃ کے مستحق بن جائیں تو پھر مدرسوں کا کیا ہوگا؟ انہیں شریعت کی اتنی فکر نہیں ہے جتنی کہ مدرسوں کی ہے۔ بقول اقبال علیہ الرحمہ ؎

خودی کی موت سے پیر حرم ہوا مجبور
کہ بیچ کھائے مسلمان کا جامۂ احرام

ایگل
ایک عالمگیر
قلم
EAGLE
خوشخط
رواں اور
دیرپا۔
اسٹیل
کے
سفید
اریڈیم پوائنٹڈ
نب کے
ساتھ،
ہر
جگہ
دستیاب
EAGLE IRIDIUM
آزاد فرینڈز
اینڈ کمپنی لمیٹڈ

دلکش
دلنشیں
دلفریب
گلستان پرنٹس
جمال ۳۰۰ پاپلین
جمال ۵۰۰ لان
حسین کے
پارچہ جات
حسین کے خوبصورت پارچہ جات نہ صرف آنکھوں کو بھلے لگتے ہیں بلکہ آپ کی شخصیت کو بھی نکھارتے ہیں۔ خواتین ہوں یا
مرد دونوں کے ملبوسات کیلئے موزوں، حسین کے پارچہ جات شہر کی ہر بڑی دکان پر دستیاب ہیں۔
HUSAIN
FABRICS
خوش پوشی کے پیش رو
حسین ٹیکسٹائل ملز
حسین انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی
کا ایک ڈویژن

Servis
قدم قدم حسین قدم قدم آرام

مولانا حافظ اشرف علی حقانی اسپوتوکینیا

شریعت بل کی مخالفت

یا

عبداللہ بن ابیؓ کی تقلید

۱۳ مئی ۱۹۹۰ء کو سینیٹ آف پاکستان نے مولانا سمیع الحق کا پیش کردہ پرائیویٹ شریعت بل نفاذ شریعت اگست ۱۹۹۰ء کے نام سے متفقہ طور پر منظور کیا۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی خاص مہربانی ہے کہ اس نے ممبران سینیٹ کو بل کی متفقہ منظوری کی توفیق بخشی اور ہماری خوش قسمتی ہے کہ ملک میں (جو محض اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا مگر افسوس کہ بیالیس سال کی طویل ترین مدت میں نفاذ شریعت جیسے متفقہ اور بنیادی مقصد کے لئے اس ملک میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے کوئی امید افزا پیش رفت حکمرانوں کے منافقانہ رویہ اور طرز عمل کے سبب نہ ہو سکی)

نفاذ شریعت اور دین فطرت کے اقامت کی اس دور میں ایک کرن سی محسوس ہونے لگی خدا کرے علماء اور حامیان شریعت کی یہ کوشش کامیاب ہو تو یقیناً مسلمانان پاکستان مدت مدید کے بعد پھر سے مکمل دین پر عمل پیرا ہوں گے۔

شریعت بل کے مخالفین ہر دور میں طاغوتی نظام کے ہمنواؤں نے اسلام کا جامہ اوڑھ کر نظام الٰہی اور شریعت کی مخالفت مختلف صورتوں میں آ کر کی ہے۔ لیکن ہزار پردوں میں چھپانے کے باوجود ان کا منافقانہ رویہ اور طرز عمل اس وقت ظاہر ہو جایا کرتا ہے جب انہیں اسلام کے غلبہ کی کہیں سے بو بھی محسوس ہونے لگتی ہے۔ تو وہ اپنی مخالفانہ کارروائیوں اور منافقانہ حرکتوں میں تیزی اور شدت اختیار کر لیتے ہیں اس لئے انہیں اپنی عافیت اسی میں نظر آتی ہے کہ اسلام مغلوب رہے۔ اور اسلامی نظام قائم نہ ہو کیونکہ اسلام کا غلبہ ان کی موت کے مترادف بلکہ موت کا پیام ہوتا ہے۔ پس اگر ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی در زمانۂ غلبۂ اسلام کا مطالعہ کریں تو ہمیں اسلام کے اس وقت کے مخالفین (جو بظاہر اپنے آپ کو مسلمان تو کہلاتے تھے مگر درحقیقت وہ مشرکین سے بھی بدتر اسلام کے دشمن تھے اسی لئے ان کے بارہ میں —

ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار کہا گیا ہے) رئیس المنافقین کی روحانی اولاد اور دورِ حاضر میں شریعت کے مخالفین میں چند وجوہ و اسبابِ مخالفت (منافقت) میں مماثلت نظر آتی ہے جو مفاد اس وقت ان کے منافقانہ رویہ کے پیچھے کارفرما تھے وہی اس دور کے مخالفین کے لئے سببِ مخالفت بنے ہوئے ہیں ابن ابی کی منافقت کا جو منشا تھا بعینہ وہ ان کی مخالفانہ پالیسی کا منشا رہے۔

پہلی مماثلت ہوسِ اقتدار | ابن ابی کی اسلام دشمنی بصورتِ منافقت کا سب سے نمایاں سبب ہوسِ اقتدار تھا جس کا صحیح پتہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی اس طویل ترین حدیث سے لگتا ہے جس میں نبی کریمؐ کو ابن ابی کے مخالفانہ رویہ کی شکایت پر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما نے جواب دیتے ہوئے اپنی تقریر میں بیان کیا تھا۔

حضرت اسامہؓ مدنی زندگی کے ابتدائی دور کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہر فدکیہ کی بُنی ہوئی ایک چادر پہنے اپنے گدھے پر سوار ہوئے اور مجھے اپنے پیچھے بٹھالیا اور آپ اس وقت حضرت سعد بن عبادہؓ کی عیادت کو تشریف لے جارہے تھے (یہ جنگ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے) پس جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مقام پر پہنچے جہاں عبداللہ بن ابیّ بن سلول بیٹھا تھا۔ اور وہ اس وقت (بظاہر بھی) مسلمان نہ ہوا تھا۔ تو آپ کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں بہت سے آدمی مسلمان مشرک، بت پرست اور یہودی بیٹھے ہیں اور اسی مجلس میں عبداللہ بن رواحہؓ بھی موجود ہیں پس جب ہمارے قریب آنے سے سواری کی گرد اہلِ مجلس پر پڑی تو عبداللہ بن ابی نے اپنی ناک چادر سے ڈھانپ لی۔ اور کہا ہم پر گرد مت اڑاؤ۔

اتنے میں رسولِ خداؐ السلام علیکم کہہ کر ٹھہر گئے اور سواری سے اتر کر ان کو قرآن پڑھ کر سنانے لگے اور اللہ کی طرف ہدایت کرنے لگے۔ تو عبداللہ بن ابی نے کہا۔ اے شخص اگر تو سچا ہے تو جو کچھ تو نے کہا ہے اس سے بہتر کوئی بات نہیں لیکن ہماری سمع خراشی مت کر۔ اپنے گھر جا اور وہاں جو تیرے پاس آئے اسے یہ قصہ سنا۔

جس پر عبداللہ بن رواحہ جو مسلمان تھے نے کہا۔ ہاں یا رسول اللہ! آپ ہمارے ہاں چلیں اور ہمیں یہ باتیں اور سنائیں۔ اس لئے کہ ہم ان باتوں کو اچھا سمجھتے ہیں۔ اس پر مسلمانوں، یہودیوں اور مشرکوں میں گالی گلوچ ہونے لگی اور اس درجہ ہوئی کہ لڑائی تک نوبت پہنچ گئی۔ جس پر رسولِ خداؐ انہیں چپ کرانے لگے۔ حتیٰ کہ وہ خاموش ہو گئے۔ پھر نبی کریمؐ سوار ہو کر حضرت سعد بن عبادہؓ کے ہاں گئے۔ اور ان سے فرمایا۔ اے سعد تو نے ابوحباب کی باتیں نہیں سنیں۔ (ابوحباب سے مراد ابن ابی ہے) جس نے ایسا ایسا کہا ہے۔

سعد بن عبادہؓ نے کہا۔ یا رسول اللہ اس سے درگزر کیجئے اور معاف فرمائیے۔ کہ وہ اپنے حسد سے

مجبور ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر کتاب اتاری۔ اللہ کی طرف سے جو آپ پر اترا وہ برحق اور صحیح ہے اصل یہ ہے کہ اس شہر (مدینہ) کے لوگوں نے اس امر پر اتفاق کر لیا تھا کہ اس (عبداللہ بن ابی) کے سر پر تاج رکھیں اور اسے اپنا والی اور رئیس بناویں۔ مگر جب اللہ نے یہ بات نہ چاہی بوجہ اس حق کے جو آپ کو عطا ہوا ہے تو اس کو آپ کا آنا ناگوار رہا ہے۔ اسی لئے اس نے ایسے کلمات کہے ہیں۔ الی آخر الحدیث۔ بخاری جلد ۲

اور بعض روایات میں آتا ہے کہ اوس و خزرج کی تلواریں انسانی جسموں کو کاٹ کاٹ کر جب کند ہو گئیں اور مدتوں کی جنگ و جدال سے آخر تنگ آ کر جب وہ صلح پر آمادہ ہوئے تو انہوں نے متفقہ فیصلہ کیا کہ اختلافی معاملات نمٹانے کے لئے ہمارے لئے ایک متفقہ رئیس و سردار ہونا چاہیئے جو ہمارے فیصلے کیا کرے۔ اس کے لئے انہوں نے عبداللہ بن ابی کا انتخاب کیا اور نشانِ امتیاز کے طور پر اس کے لئے ایک خاص قسم کا تاج بنوایا۔ لیکن جب نبی کریمؐ مدینہ ہجرت کر کے آئے تو اوس و خزرج کی اکثریت مسلمان ہو گئی اور انہوں نے اپنے ہر قسم کے فیصلوں کا اختیار نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دے دیا۔ جو کہ دینا ہی تھا لہٰذا ابن ابی کی ولایت و سیادت والا منصوبہ منسوخ ہو گیا جس پر ابن ابی سخت سیخ پا ہوا۔

شروع میں کھل کر اسلام کی مخالفت کی لیکن جب جنگ بدر میں قریش کے بڑے بڑے رئیسوں کو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مار ڈالا تو ابن ابی اور اس کے ساتھیوں نے سوچا کہ اب اسلام غالب آ گیا ہے لہٰذا خیریت اسی میں ہے کہ کھل کر مخالفت کرنی چھوڑ دو۔ اور بظاہر مسلمان ہو جاؤ۔ تو انہوں نے بظاہر نبی کریمؐ کی بیعت کر لی اور مسلمان کہلانے لگے۔ مگر چونکہ اسلام کے داعی اول کے آمد سے ہی اس کی سرداری والا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا اس لئے اس نے اندرونی طور سے اسلام کے خلاف مدینہ میں رہتے ہوئے بیرونِ مدینہ کے مشرکین اور اندرون مدینہ کے یہودیوں کے تعاون سے ایک محاذ قائم کیا۔ مسلمانوں میں افتراق و انتشار کی کوششیں اور ہر قسم کا نقصان پہنچانے کے لئے مختلف ہتھکنڈے استعمال کرنے لگا اس کی ان تمام مخالفتوں اور منافقانہ حرکتوں کے پیچھے اقتدار کی ہوس کارفرما تھی۔ حصولِ اقتدار میں اصل رکاوٹ اسلام ہی کو سمجھ کر آخر دم تک دل سے اسلام قبول نہ کیا۔ اور بحالتِ نفاق میں مرکر اسفل من النار اپنا ٹھکانہ ہمیشہ کے لئے بنالیا۔

پس ہم اگر ابن ابی کے مذکورہ سببِ مخالفتِ اسلام کو مدنظر رکھ کر موجودہ دور کے مخالفینِ شریعت بل کے اسبابِ مخالفت پر نظر ڈالیں تو سب سے بڑی وجہ مخالفت ہوسِ اقتدار ہی نظر آتی ہے۔ کیونکہ ان کو صاف نظر آتا ہے کہ اگر اسلامی نظام قائم ہو گیا تو ہمارے اقتدار کو صرف خطرہ ہی نہیں بلکہ بوریا بستر گول ہونا یقینی ہے۔ پھر اس نظام کی شرائط و قیودات پر پورا نہ اترنے کی وجہ سے اقتدار اور اسمبلیوں میں آنا کجی

انتخابات میں بھی حصہ لینا ہمارے لئے مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہوگا۔

یہ بات کالشمس فی النہار سے بھی زیادہ عیاں ہے کہ شریعت بل کی مخالفت میں جو آواز جہاں کہیں سے بھی اٹھتی ہے ارباب اقتدار کے اشارے پر اٹھتی اور آواز اٹھانے والوں کو ان کا تعاون بالکلیہ حاصل ہوتا ہے۔ خود تو وہ منافقین کی مانند سامنے آکر مخالفت کی تاب نہیں رکھتے اور ظاہری مخالفت کو ابھی خلاف مصلحت سمجھتے ہیں۔ لیکن چند وکلاء جو کہ شریعت بل کی مخالفت میں پیش پیش ہیں شاید الہی کے متعلق بقول کسے شیطان نے دندناتے ہوئے کہا ہوگا ع

لو آج ہم بھی صاحب اولاد ہو گئے

اور باقی اخوان الشیاطین کو استحکام جمہوریت کا ہتھیار دے کر استعمال کرتے ہیں۔ اور اس نعرہ پر شاباش دے کر شریعت بل کی مخالفت پر ابھارنے کی کوشش کرتے ہیں جس کی واضح اور بین دلیل سابق وزیر اعظم کا لاہور ہائی کورٹ سے شریعت بل کی مخالفت میں قرارداد منظور ہونے پر ببانگ دہل یہ کہنا ہے کہ وکلاء کو اپنی ذمہ داریاں پوری کرتے ہوئے جمہوریت کے استحکام کے لئے کام کرنا چاہئے۔ جیسے شریعت بل کی مخالفت ہی وکلاء کی اہم ذمہ داری ہو۔

دوسری مماثلت خواہشات کا تحفظ اور دین پر دنیا کو ترجیح | منافقین کے متعلق قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دائمی زندگی کی خواہش اور دنیا کی لذات سے ان کی طبیعت اس قدر مانوس ہوگئی تھی کہ کسی دوسرے کی موت پر بھی ع

سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

کے طور پر ارمانی ہوتے کہ اتنی جلدی کیوں مرگیا۔ حالانکہ یہ تمام ارمان اور حسرتیں تب ہوتیں کہ دوسرے کی موت سے انہیں اپنی موت یاد آتی تھی۔ جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ جب کوئی بندۂ خدا راہ خدا میں شہادت پاتا تو منافقین اپنی نجی محفلوں میں کہتے کہ اگر یہ جنگ کے لئے نہ جاتا اور ہماری طرح کوئی حیلہ بہانا بنا کر ٹھہر جاتا تو آج نہ مرتا۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے :-

یاایہا الذین آمنو لاتکونو کالذین کفروا وقالوا لاخوانہم اذا ضربوا فی الارض او کانوا غزی لو کانوا عندنا ما ماتوا وما قتلوا۔

اے ایمان والو تم ان کی طرح نہ ہو جاؤ جو کافر ہوئے اور اپنے بھائیوں کو کہتے ہیں جب وہ سفر کو نکلیں یا جہاد میں ہوں اگر یہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مارے جاتے اور نہ قتل کئے جاتے۔

یہ حسرت زندگی ان کے دل میں صرف خواہشات کی بنا پر پیدا ہوتی تھی۔ لیکن جب مسلمانوں کو کسی غزوے میں

مالِ غنیمت فتح کی صورت سے ملتا اور وہ بدقسمتی و کی وجہ سے اس میں شریک نہ ہوتے تو اس پر اکثر کفِ افسوس ملتے رہتے کہ اگر ہم بھی اس میں شریک ہو جاتے تو آج فوزِ عظیم پر فائز ہوتے ۔ یہ تھی ان کی دین و آخرت پر دنیا کی ترجیح ۔

جب مسلمان کوئی ایسا قدم اٹھانے کا ارادہ کرتے جس سے اسلام کو تقویت ملنے کی امید ہوتی اور غلبۂ اسلام کا کوئی پہلو اگر اس اقدام میں نظر آتا تو ان کو خطرہ زیادہ ہو جاتا اور مارے خوف کے اپنی منافقانہ حرکات میں تیزی کر دیتے وہ ہر حربہ استعمال کر کے مسلمانوں کو اس اقدام سے روکنے کی کوشش کرتے اور ایسی حرکات کر گذرتے جو صریحاً ان کے نفاق اور اسلام دشمنی کا پتہ دیتیں ۔ یہ سب اس لئے کہ ان کو معلوم تھا کہ اگر اسلام کا غلبہ یقینی ہو گیا تو ان کے ذاتی مفادات خطرے میں پڑ جائیں گے ۔ ان کی سیاسی چالیں اسلام کے خلاف نہ چل سکیں گی ۔ کفار و مشرکین سے ان کا اسلام دشمنی کی وجہ سے جو ذریعۂ آمدنی ہے اس کا سدِ باب ہو جائے گا ۔ باقی کئی ذاتی مفادات کو بھی نقصان پہنچے گا ۔

کیا آج کے مخالفین شریعت بل انہی اسباب کی بنا پر اس کی مخالفت نہیں کر رہے ۔ یقیناً ان کے اسباب مخالفت بھی یہی ہیں اگرچہ مفادات کی نوعیت مختلف ہے ۔ کیا یہ دانستہ یا نادانستہ ان کی تقلید نہیں ہے یقیناً ہے اس لئے کہ یہ بھی سمجھتے ہیں اگر دین قائم ہو گیا تو مالی نقصان اٹھانا پڑے گا ۔ کہ اس میں حکومت کو بغیر رعایت کے زکوٰۃ دینی پڑے گی جسے وہ ٹیکس سمجھتے ہیں ۔ اور ہمیشہ اس کی ادائیگی سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ یہ جانتے ہیں کہ قتل (جو ان کی سیاسی کامیابی کا اہم راز ہے) کے بدلے قصاص سے دوچار ہونا ہو گا لڑاؤ اور حکومت کرو والا نظریہ نہ چل سکے گا ۔ کیونکہ اسلام کا نظریہ اور پیغام تو انما المؤمنون اخوۃ ہے ۔

انہیں پتہ ہے کہ نفاذِ شریعت کی صورت میں سودی بینکاری اور تمام حرام طریقہ کے ذرائع آمدنی بند ہو جائیں گے ۔ تو کثیر تعداد میں دولت کہاں ہوگی جب کہ ان کی جان ہی دولت اور پیسہ میں ہے ۔ اسلام تو ناجائز ذخیرہ اندوزی کو بھی برداشت نہیں کرتا ۔ حالانکہ عوام کا استحصال ان کی فطرت میں رچا بسا ہے ۔ اسلامی نظام میں تو حدود بھی ہوں گے وہ تو پہلے سے ہی انہیں انسانیت سوز اور غیر فطری سزائیں کہتے ہیں ۔ جرائم سے بچ کر زندگی بسر کرنا ان کے لئے ایسا ہی ہے جیسے مچھلی کو پانی سے باہر پھینک کر اس کے جینے کی تمنا کی جائے ۔ وہ تو جرائم سے کھیل کر پلے ہیں ۔ ان سے باز آنا ان کے لئے مشکل ہی نہیں محال ہے ۔ جب کہ اسلامی نظام میں جرم ثابت ہونے پر رعایت مجرم کے لئے قصاص ، دیت ، رجم ، قطع ید اور درّوں جیسی عبرتناک سزائیں ہیں ۔ کیا مخالفین شریعت بل کو یہی اغراض مخالفت پر آمادہ نہیں کر رہے اگر یہی ہیں تو یہ اسباب مخالفت نہیں بلکہ اسباب منافقت ہیں ۔ اگر وہ ابن ابی کے مسلک کے سالک ہی رہے تو اپنا ٹھکانا جہنم میں

درکِ اسفل من النار بنائیں گے۔

تیسری مماثلت گروہی عصبیت بغرضِ افتراق و انتشار

رئیس المنافقین ابن ابی نے کسی سفر میں سنا کہ ایک مہاجر اور انصاری کا کچھ جھگڑا ہو گیا ہے۔ تو اس نے اپنے ساتھیوں کے سامنے یہ زہر اگلا کہ مدینہ والے باوجود اس کے کہ مہاجرین کو خرچ دیتے ہیں وہ پھر بھی ان سے جھگڑتے ہیں اور مہاجرین کے دلوں میں ان کی ذرہ برابر بھی عزت نہیں۔ لہٰذا انصار کو چاہیئے کہ وہ ان کا خرچ بند کر دیں اور یہ بھی کہا کہ ہم عزت والے مدینہ پہنچ کر ان ذلیل و خوار لوگوں کو مدینہ سے نکال دیں گے۔

یہ گروہی اور وطنی عصبیت کی منافقانہ چال تھی۔ جو مسلمانوں کی جمعیت کو پارہ پارہ کرنے کی غرض سے چلی گئی تھی۔ لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔ اس کو مدنظر رکھئے اور پھر مخالفین شریعت بل گروہ میں سے ایک وکیل صاحب کے اس قول پر غور کیجیے کہ پاکستان ملاؤں کو روٹیاں دلانے اور نوکریاں فراہم کرنے کے لئے نہیں بنایا گیا تھا۔

اُس دور کے منافقین گروہ اور اس دور کے مخالفین شریعت بل گروہ کے اقوال کا موازنہ کیجیے۔ اختلاف اقوال کے باوجود جو معنوی ہم آہنگی ان دونوں اقوال میں ہے وہ کسی ذی عقل سے مخفی نہیں۔ رئیس المنافقین نے بھی غرور میں آکر متکبرانہ انداز میں ویسا ہی کلام کیا تھا جیسا کہ وکلاء میں سے شریعت بل کے مخالف گروہ کے ایک فرد نے کہا ہے۔

اسلام دشمنی میں یہ دونوں اقوال ہم پلہ ہیں اس لئے کہ ابن ابی نے اسلام دشمنی کی وجہ سے ہی مہاجرین کو اذل کہا تھا جب کہ وکیل صاحب نے بھی ملائیت کا لفظ تحقیر و تنقیص کی غرض سے (جیسا کہ عرفِ عام ہے) استعمال کیا ملا وہی ہوتا ہے جو دین کا سپاہی اور اس کا حامل ہو۔

کیا ایک عالم کی تحقیر بحیثیت عالم دین (ورنہ ملاؤں کی وکیل سے کیا ذاتی دشمنی ہے) موجب کفر و نفاق نہیں ہے کیا وکیل صاحب بتائیں گے کہ ملا اور وکیل میں بحیثیت مسلمان و پاکستانی شہری ہونے میں آخر تفاوت کیا ہے کہ پاکستان وکلاء کی روٹی اور نوکری کا تو ضامن ہے مگر ملا کا نہیں۔ اگر پاکستان ملاؤں کو روٹی اور نوکریاں فراہم کرنے کے لئے نہیں بنایا گیا تو اس کے حصول کا مقصد وکلاء کو روٹی اور نوکری فراہم کرنا بھی نہیں تھا ملا تو نوکری طلب کرنے کے بجائے اس نظام کا طالب ہے جس کے لئے لوگوں نے جان کی قربانی دی تھی اور پھر اگر وکلاء صاحبان ایک طاغوتی نظام کی خدمت کے عوض روٹی و نوکری کے مستحق ٹھہر سکتے ہیں اور ۴۲ سال سے ٹھہرے ہوئے ہیں تو ایک فطری اور نظام الٰہی کے قیام کی جدوجہد اور قیام کے بعد اس کی خدمت کے عوض ملا بھی نوکری کے مستحق ہو جائیں تو اس میں قباحت کیا ہے۔ یہ تو اسلامی نظام کی خوبی ہے کہ اپنے خادموں کو

(باقی صفحہ پر)

قارئین بنام مدیر

افکار و تاثرات

فتنۂ قادیانیت اور مولانا عبدالماجد دریابادی

جولائی ۹۰ء کے الحق میں اس موضوع پر علی ارشد صاحب کا "بلا تبصرہ" مضمون بغور پڑھا مگر احقر یہ سمجھنے سے قاصر رہا کہ آخر اس مضمون کی اشاعت کا مقصد کیا ہے ۔ اور موضوع زیر بحث سے اس کا تعلق کیا ہے ۔

محترم علی ارشد صاحب نے اس مضمون میں مولانا دریابادی مرحوم کے ۳۰ء کے خیالات نقل کئے ہیں ۔ حالانکہ اصل موضوع بحث مولانا دریابادی کے سالہا سال بعد کے موقف سے متعلق تھا ۔ یہ کسی نے کبھی نہیں کہا کہ مولانا دریابادی کو مرزائیوں کے تمام عقائد اور خیالات سے اتفاق تھا ۔ ہمارا موقف صرف یہ ہے کہ وہ مرزائیوں کو مسلمان سمجھتے تھے ۔ اور ان کی تکفیر کو غلط کہتے تھے اپنے اس موقف سے انہوں نے آخری دم تک رجوع نہیں کیا ۔ قارئین الحق غور فرمائیں کہ علی ارشد صاحب کے اس مضمون سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ ہمارا موقف صحیح نہیں ۔

مولانا کی ۳۰ء کی ان تحریروں میں بھی خاصا ابہام پایا جاتا ہے لے دے کے ہم ان سے جو نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں وہ یہ ہے :-

۱ ۔ انہوں نے ایک سیاسی مسئلہ میں مرزائیوں کے طرز عمل پر تنقید کی ہے ۔
۲ ۔ ایک فرانسیسی مستشرق کی تحریر سے "پیغام صلح" نے جو نتیجہ اخذ کیا اس پر گرفت کی ہے ۔
۳ ۔ مرزائیوں کی ہفوات سے ان کے رہنماؤں محمد علی ، خواجہ کمال الدین اور صدرالدین کو بری الذمہ ٹھہرایا ہے ع

(اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا

ان کی تحریروں میں جو لولوئے شہوار بکھرے پڑے ہیں ۔ اہل نظر کو ان کا بخوبی علم ہے)

۴ ۔ عجیب انداز میں عدم اتفاق کا اظہار ہے ۔ (جزئیہ کا لفظ بھی خوب ہے)

کیا یہ مضمون "کجامی نمائی کجامی زنی" کا مصداق نہیں ہے ؟

کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا۔ وما علینا الا البلاغ (جناب طالب ہاشمی)

میں ایرانی ایجنٹ ہوں سلمان رشدی کا اعتراف

اس سوال پر کہ "شیطانی آیات" لکھ کر ساری دنیا کے مسلمانوں کو تم نے اپنا دشمن بنایا۔ کبھی تاسف محسوس نہیں ہوا؟

رشدی بولا: تاسف کا ہے کا؟ میں نے زندگی کی بہترین کتاب لکھی۔ لوگوں کے شدید رد عمل سے میں اپنی تخلیق کو برا بھلا کیوں کہنا شروع کر دیتا؟ یہاں تو لوگ اپنی ناجائز اولاد کو بھی برا نہیں کہتے۔ جب کہ میں نے "سٹینک ورسز" پر بہت محنت کی۔ "پینگوئن" نے اسے بڑی محنت اور کاوش سے شائع کیا۔

جس روز ایران کے ایک بڑے ملا نے میرے قتل کا فتویٰ جاری کیا اس روز مجھے یک بارگی ڈر سا لگا اور دل میں ایک ہلکا سا، ایک لمحے کے لئے خیال آیا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔ لیکن پھر دل نے تقویت پکڑ لی۔ یہ فتویٰ میرے فن اور میرے قلم کی پختگی کی عالمی قبولیت ہے۔ خمینی کے قاتلانہ فتوے کی اطلاع مجھے میرے دوست طارق علی (معروف پاکستانی اشتراکی دانشور، جو خاصے عرصے سے لندن میں مقیم ہے اور گاندھی اور بھٹو پر متنازعہ فیہ کتابیں لکھ کر عالمی شہرت کما چکا ہے) نے دی تو مجھے ایک لمحے کے لئے خوف کے ساتھ حیرت بھی ہوئی۔ حیرت اس لئے کہ اس فتویٰ سے چند ہفتے پہلے ہی میرے اس ناول "سٹینک ورسز" کا فارسی ترجمہ ہوا تھا اور مترجم کو موجودہ معروف ایرانی رہنما ہاشمی رفسنجانی نے انعام سے نوازا تھا اور اس کے لئے ایک تقریب بھی منعقد ہوئی تھی۔ پھر میں خود بھی شیعہ ہوں۔ اس لئے شیعہ بھائی کو دوسرے شیعہ کا خیال رکھنا چاہیئے تھا۔

(برطانوی جریدے "کنفش" سے انٹرویو۔ بشکریہ ہفت روزہ "زندگی" لاہور ۲۵ تا ۳۱ مئی ۹۰ء)

قرآن مجید کی طباعت اور مسلمان حکومتیں

* قرآن مجید کی طباعت و اشاعت کو مسلمان حکومتوں اور اداروں نے ہمیشہ اپنا ایک مبارک فریضہ خیال کیا ہے۔ موجودہ زمانہ میں سعودی حکومت اس سلسلہ میں قابل رشک خدمت انجام دے رہی ہے ۱۴۰۵ھ سے ۱۴۰۹ھ تک چار برسوں میں اس نے ساڑھے ۳۱ ملین کی تعداد میں قرآن مجید اور اس کے مختلف زبانوں میں تراجم طبع کر کے تقسیم کئے ہیں۔ ان میں ساڑھے بائیس ملین نسخے ایشیا میں، چار ملین افریقہ میں، ۱۶۶ ہزار یورپ ۱۲۷،۱۰۵ نسخے امریکہ اور ۶ ہزار آسٹریلیا میں تقسیم کئے گئے۔ ان کے علاوہ دنیا بھر کی مختلف نمائشوں کے لئے ۱۴۶،۷۰۸ نسخے پیش کئے گئے۔ حجاج کرام کو بھی بطور تحفہ ساڑھے تین ملین مصاحف دیے گئے

رابطہ عالم اسلامی نے بھی نیروبی کے اسلامی اداروں کو ایک ہزار چار سو اسّی اور تقریباً اتنی ہی تعداد میں مراکش کی مسجد طاطا کے لئے قرآن مجید کا تحفہ پیش کیا ہے۔ ادھر بنکاک، تھائی لینڈ کے اسلامی امور کے ادارہ نے قرآن مجید کا ترجمہ تھائی زبان میں کیا ہے۔ اس کی اشاعت کے لئے تھائی لینڈ کی حکومت نے تعاون کا اعلان کیا ہے۔ روس کے دینی اداروں کی فرمائش پر اردن کی حکومت نے بھی قرآن مجید کے ایک لاکھ نسخوں کا ہدیہ ارسال کیا ہے۔

قرآنیات

قرآنیات سے متعلق مغربی جرمنی کے چانسلر رچرڈ واشکلر کا یہ قول بھی قابل ذکر ہے کہ قرآن مجید تنہا وہ آسمانی کتاب ہے جو علم جنین کی صحیح تفسیر کرتی ہے۔ مغربی جرمنی کی یونیورسٹیوں کے نمائندہ طلبہ سے گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ سائنسدان اس علم کی تشریح و توضیح میں ناکام رہے ہیں۔

ایک خبر یہ بھی ہے کہ سینٹ پال کی کیتھولک چرچ سوسائٹی، قرآن مجید کی ترجمانی کے لئے ویڈیو کیسٹ اور تعلیمی کارٹون فلمیں تیار کر رہی ہے۔ یہ یقیناً ایک نئے فتنے کا پیش خیمہ ہے۔ ڈیلی ٹیلی گراف کے مطابق شروع میں یہ فلمیں صرف مسلم مارکیٹ میں پیش کی جائیں گی۔ ستم یہ ہے کہ ان کی تیاری میں قاہرہ یونیورسٹی کے بعض اساتذہ کا تعاون بھی شامل ہے۔

سلمان رشدی کے بعد رشاد خلیفہ اور معمر قذافی

رشاد خلیفہ، امریکہ کی ایک مسجد کے امام ہیں۔ چند برس پہلے انہوں نے ۱۹ کے ہندسہ کے ذریعہ قرآن مجید کے عددی معجزہ کو پیش کیا تھا۔ بظاہر یہ انوکھی تحقیق تھی۔ مگر آخر علماء نے اس کی تہہ میں بہائی افکار و معتقدات کی جھلک دیکھ لی۔ اب ان ہی رشاد خلیفہ نے اپنی رسالت کا اعلان کر دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی تو ہیں۔ آخری رسول نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید کے الفاظ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین سے یہی ظاہر ہے۔ ان کا دعوٰی ہے کہ مولیٰ عز و جل نے ان کو سینکڑوں قرآنی براہین اور ریاضی وحسابی دلائل ایسے دئے ہیں جن کی وجہ سے وہ اس دور کے 'رسول میثاق' ہیں۔

سلمان رشدی کے بعد اب رشاد خلیفہ، طریق رشد کے بجائے راہ ضلالت پر گامزن ہیں اور قرآن حکیم کے اس دعوٰی کے مصداق بھی ہیں کہ :۔

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهٖ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهٖ إِلَّا الْفَاسِقِيْنَ ۝

یہ سطریں لکھی جا چکی تھیں تو معلوم ہوا کہ وہ امریکہ کی ایک مسجد میں مردہ پائے گئے۔

ایسی ہی ایک مثال لیبیا کے صدر معمر قذافی کی شخصیت ہے جو تجدد و لیدگی افکار سے عبارت ہے۔ حال ہی میں انہوں نے مسئلہ خلافت کے متعلق لب کشائی کی۔ اور فرمایا کہ اگر مسلمانوں نے احیائے خلافت کی کوشش کی تو ایک مرتبہ پھر گوناگوں فلسفیانہ افکار و نظریات کی گرم بازاری ہوگی۔ قدیم فقہی کتابوں اور حافظ ابن تیمیہ کا مطالعہ ضروری ہو جائے گا جس کے نتیجے میں مسلمانوں کے باہمی تنازعات میں اور اضافہ ہو گا۔ ان کے خیال میں خلافت، حضرت علیؓ کے دور حکومت کے ساتھ ہی ختم ہو گئی۔ اس کے بعد کا دور مطلق ملوکیت کا رہا۔ رہی عثمانی خلافت تو یہ محض اسلامی دنیا پر تسلط کا ایک بہانہ تھی خلافت کے نام سے جو کوششیں ہوئیں ان کا مقصد اسلامی دنیا کا استحصال اور قوت و اقتدار اور غلبہ و تسلط کا حصول تھا۔

اسلام کا ابر کرم

غیر اسلامی قوتوں کے علی الرغم اسلام کا ابر کرم، سطح خاک کے ایک ایک چپہ پر برستا ہے۔ انڈونیشیا میں عیسائی مشنریوں کا سیلاب یقیناً بلاخیز ہے۔ مگر وہاں کے غیر مسلم قبائل مسلسل اسلام کے دامن میں پناہ لے رہے ہیں۔

ابھی قبیلہ ڈایاک کے ۱۶۷ افراد نے اسلام قبول کیا۔ اس سے پہلے سیمواک شہر کے لوگوں نے اجتماعی طریقہ سے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا تھا۔ سوڈان میں مسلمان عالموں سے مناظرہ کے بعد پانچ نامور عیسائی پادریوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ مغربی سوڈان کے کردوان علاقہ میں ۴۶۶ لوگوں نے اجتماعی طور پر قبول اسلام کی خوشخبری دی۔ ع۔ ص

مسلمانوں کی تعداد

دو امریکی ماہرین اعداد و شمار نے دنیا کے مختلف مذاہب کے ماننے والوں کا جائزہ لینے کے بعد انکشاف کیا ہے کہ اس وقت دنیا میں مسلمانوں کی تعداد ۱۰۸۰ ملین (ایک ارب آٹھ کروڑ) ہے۔ ان ماہرین کا دعویٰ ہے کہ دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں مسلمانوں میں شرح نمو زیادہ ہے موجودہ رفتار اگر باقی رہی اور اسلام میں نئے لوگوں کا داخلہ اسی شرح سے جاری رہا تو [illegible] تک مسلمانوں کی تعداد ۱۹۰۰ ملین یعنی ایک ارب ۹۰ کروڑ ہو جائے گی۔ بالفاظ دیگر دنیا کی کل آبادی کا ہر چوتھا فرد مذہب اسلام کا ماننے والا ہو گا۔ مذکورہ بالا انکشا

...نڈ رلینڈ کے ایک رسالہ نے شائع کیا ہے۔ گذشتہ چند برسوں سے مسلمانوں کے اعداد و شمار، ان کا شرح نمو اور مختلف ممالک میں اسلامی بیداری کے آثار مغربی اخبارات اور رسالوں کا پسندیدہ موضوع ہیں۔ آئے دن کوئی نہ کوئی تحریر یہ شائع ہوتا رہتا ہے۔ ان کے پس پردہ دراصل یہ ذہن کام کرتا ہے کہ دنیا اور خاص طور سے عیسائی دنیا کے سامنے مسلمانوں اور اسلام کا ہوّا کھڑا کیا جائے۔ ان کی بڑھتی ہوئی آبادی پر روک لگانے کے لئے تدابیر اختیار کی جائیں۔ اسی طرح جس ملک میں اسلامی بیداری کے آثار نظر آئیں اس کو کچلنے کے لئے نئے نئے ہتھکنڈے تلاش کئے جائیں۔ مغرب کا آدمی آج بھی اسلام سے خوفزدہ ہے وہ نہیں چاہتا کہ اس کی کچھار سے کوئی صلاح الدین ایوبی اٹھے اور اس کے لئے مسئلہ بنے۔ صلاح الدین ایوبی کا وجود تو بڑی بات ہے۔ وہ تو جنرل محمد ضیاء الحق کا وجود بھی برداشت کرنے کا روادار نہیں ہے۔ اس لئے مغربی اخبارات و رسائل میں مسلمانوں کے اعداد و شمار اور ان کے شرح نمو کے بارے میں جو تجزیاتی مضامین آئیں انہیں اس تناظر میں دیکھنا چاہیئے۔

اسرائیل فوج کی بے اطمینانی اور خودکشی کے واقعات میں اضافہ

گذشتہ چند سالوں کے اندر اسرائیلی فوج میں خودکشی کے جو واقعات ہوئے ہیں اس سے عالمی سیاست کو بڑی حیرت و استعجاب ہے۔ اس بھیانک صورت حال پر پردہ ڈالنے کے لئے اسرائیل کی عسکری قیادت نے ایسی خبروں کی اشاعت پر پابندی کردی ہے جس سے اسرائیل فوج کے اضطراب و بے اطمینانی کی کیفیات سامنے آئیں۔ اسرائیلی سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ۱۹۷۴ء سے ۱۹۸۵ء تک خودکشی کے واقعات ہوئے ان کی تعداد ۲۹۰ تک پہنچ جاتی ہے۔ جب کہ صرف ۱۶ ماہ کے اندر خودکشی کرنے والے فوجیوں کی تعداد ۵۰ ہو جاتا ہے کہ یہ صورت حال روز افزوں پیچیدہ ہوتی جارہی ہے اور اس پر فوری قابو پانا ناممکن ہے اس کی بھی منطقی توجیہہ کی جائے بہرحال اس سے اتنا ضرور ہے کہ اسرائیلی بے اطمینانی کی کیفیت محسوس کر رہے ہیں۔ تل ابیب کے فوجی ذرائع کا کہنا ہے کہ بے یقینی کی یہ حالت "تحریک انتفاضہ" کے حامیوں کے ساتھ ...نی قیادت کی رواداری نہ ہونے اور قضیۂ فلسطین کا کوئی مناسب اور پائیدار حل نہ نکالنے کی وجہ سے ہے (فرقان احمد ندوی)

Stockist:

Yusaf Sons

Babu Bazar, Rawalpindi Saddar Phone: 66754-66933-66833

UNITED FOAM INDUSTRIES LTD

LAHORE—PAKISTAN

Tel: 431341, 431551

حضرت مولانا ابراہیم یوسف باوا زنگوآنی صاحب
مدیر ماہنامہ الاسلام، برطانیہ

شادی

اسلامی تعلیمات اور سلف صالحین کا تعامل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

"کوئی شخص تمہارے پاس نکاح کا پیام بھیجے جس کے دین اور خلق (عادت) سے تم راضی اور خوش ہو تو اس کا پیام منظور کر کے اس سے نکاح کر دو۔ اور اگر نہ کرو گے تو زمین پر سخت فتنہ بپا ہو گا" (ترمذی عن ابی ہریرہؓ)

(ف) حضرت حکیم الامتؒ کو ایک صاحب نے لکھا کہ لڑکیوں کی شادی کی بہت فکر ہے۔ کوئی نسبت حسبِ دلخواہ نہیں آتی۔ کہیں سے ڈاڑھی والے لڑکے کی بات آتی ہے تو نہایت مغلوب الحال پاتا ہوں اور جس کو دال روٹی سے خوش دیکھا جاتا ہے۔ تو وہاں ڈاڑھی صفاچٹ پاتا ہوں (یعنی دینداری نہیں ہوتی) کئی جگہ محض اِن وجوہات کی بنا پر انکار کر دیا۔ دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ آبرو رکھیں اور معاملہ میں شرمندگی کی نوبت نہ آئے۔ ہر شخص یہ کہتا ہے کہ میاں اس خیال کو چھوڑو۔ آج کل ڈاڑھی والے (یعنی دیندار) بڑی مشکل سے ملیں گے۔

فرمایا:۔ واقعی بڑی مشکل ہے میں پختہ رائے تو دیتا نہیں۔ لیکن میرا خیال یہ ہے کہ اس زمانہ میں پوری دینداری داڑھی والوں میں بھی نہیں ہے بس ایک داڑھی منڈانے کا گناہ (کبیرہ) کر رہا ہے تو دوسرا شہوت پرستی کا گناہ کر رہا ہے۔ تو نری ڈاڑھی لے کر کیا کرو گے؟ اگر ہو تو حقیقی دینداری ہو جو بہت دشوار (کی مشکل) ہے لہٰذا اس صورت میں اگر اس میں تھوڑی سی وسعت کی جاوے یعنی صرف دو چیزوں کو دیکھ لیا جاوے (۱) ایک یہ کہ اعتقادِ اسلامیہ میں شک و شبہ یا تمسخر و استہزا سے پیش نہ آوے۔

(۲) دوسرے یہ کہ طبیعت میں صلاحیت ہو کہ اہل علم اور بزرگوں کا ادب کرتا ہو، نرم خو ہو کہ اپنے متعلقین کے حقوق ادا کرنے کی اس میں توقع ہو اور گنجائش مالی بقدرِ ضرورت ہونا ضروری ہے۔ تو ایسے شخص کو گوارا کر لیا جائے پھر جب آمد و رفت اور میل جول اور مناسبت ہو گی۔ تو ایسے شخص سے بعید نہیں کہ اس ڈاڑھی کے معاملہ میں بھی اس کی اصلاح ہو جاوے گی۔ (مآثر حکیم الامت صـ ۱۶۹)

ایک مشورہ ۔ یہ تو حضرت اقدس تھانوی علیہ الرحمہ کا خیال ہے۔ بندہ عاصی کا مشورہ یہ ہے کہ مندرجہ بالا حدیث مبارکہ کے مطابق لڑکے کی تلاش کرے اور پیام کا صبر و استقلال سے انتظار کرے۔ ان شاء اللہ العزیز مناسب پیام آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے میری حافظ بچیوں کے لئے بہترین جوڑے عنائت فرمائے ہیں۔ دل سے دعا کرنے اور صبر کی ضرورت ہے۔

ایک بزرگ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ حافظ و عالم جو دین کے کام میں لگا ہو وہ بے عمل ہے اس سے بھی اپنی بیٹی کی شادی نہ کرائے۔ اللہ پاک تمام مسلمان بچیوں کے سرپرستوں پر رحم و کرم کا معاملہ فرماوے اور بہترین نیک و صالح جوڑا نصیب فرماوے۔ آمین

کیسی عورت سے نکاح کرے ؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

" عورت سے چار باتوں کے سبب نکاح کیا جاتا ہے :۔

۱۔ مالداری (کی وجہ سے) ۲۔ حسب (و کسب کی وجہ سے) ۳۔ حُسن (و جمال کی وجہ سے) اور ۴۔ اس کے دین کی وجہ سے۔ ان میں سے جس نے دین و مذہب (یعنی عورت کی دینداری) کی وجہ سے نکاح کیا وہ کامیاب ہوا اور خاک آلودہ ہوں تیرے ہاتھ تو مال اور حسن کے سبب نکاح کرے (بخاری و مسلم عن ابی ہریرةؓ)

(ف) فرمان رسول (جو در اصل وحی خفی ہوتی ہے) تو یہ ہے کہ دیندار عورت سے نکاح کیا جائے۔ اور ہمارا عمل یہ ہے کہ دیندار عورت کو چھوڑ کر عورت کی مالداری، حسن و جمال، حسب و نسب وغیرہ کو دیکھتے ہیں۔ ایسی شادیوں میں بے برکتی کیوں نہ ہو جب کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم " خاک آلودہ ہوں تیرے ہاتھ " بددعا فرما رہے ہیں۔

اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ ماں باپ اور سرپرست یہ چاہتے ہیں کہ اپنے لڑکے کی شادی اپنے رشتہ داروں میں کرائے۔ چاہے لڑکی دیندار ہو نہ ہو۔ لڑکے کو پسند ہو نہ ہو۔ یہ بہت بری بات ہے۔ ہونا یہ چاہیئے کہ لڑکے کی نسبت طے کرنے سے پہلے لڑکے کی رائے معلوم کر لی جائے۔ اگر لڑکا کسی لڑکی کے بارے میں کوئی رائے دے تو والدین کا فرض ہے کہ لڑکی کی دینداری اور خاندان پر نظر کرے۔ اللہ کرے ایسا خاندان اور لڑکی مل جائے تو استخارہ کرکے نسبت کرے اگر ایسی لڑکی اپنے ہی خاندان میں ہو تو پھر اسے ترجیح دے۔ تاکہ نبھاؤ ہو سکے۔ اور رشتہ دار سے صلہ رحمی کرنے کا اجر بھی حاصل ہو گا۔

بہت سے " شادی بربادی " پر مستحق اس لئے ہو گئے کہ لڑکی کی دینداری پر نظر نہیں کرتے اور پھر شکوہ شکایت کرتے پھرتے ہیں۔ حالانکہ لڑکا خود دیندار بھی ہوتا ہے۔ لیکن شادی کے بعد اس کا گھر جہنم بن جاتا ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا کا اثر ہے یہی نہیں بلکہ اولاد بھی بے دین ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔

"ہر بچہ فطرت دین اسلامیت اور توحید پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں" (بخاری)

شادی کرنے میں غریب عورت کو ترجیح دے

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ :- "علماء نے لکھا ہے کہ نکاح بھی کسی غریب سے کرے۔ مالدار سے نہ کرے اس لئے کہ جو شخص مالدار عورت سے نکاح کرتا ہے وہ پانچ آفتوں میں گرفتار ہوگا۔

۱۔ مہر زیادہ ادا کرنا پڑے گا۔ ۲۔ رخصتی میں دیر اور ٹال مٹول ہوگی (کہ اس کے جہیز کی تیاری ہی ختم ہوگی)۔ ۳۔ اس سے خدمت لینا مشکل ہوگی۔ ۴۔ زیادہ خرچ مانگے گی اور (۵) اور طلاق دینا چاہے گا تو اس کا مال کا لالچ طلاق نہیں دینے دے گا۔

کہتے ہیں کہ عورت چار چیزوں میں خاوند سے کمتر ہونی چاہئیں۔

۱۔ عمر میں ۔۲۔ قد کی لمبائی میں ۔۳۔ مال میں (۴) شرافت میں۔

اور چار چیزوں میں خاوند سے بڑھی ہونی چاہیئے :-

۱۔ خوبصورتی میں ۔۲۔ ادب میں ۔۳۔ تقویٰ میں ۔۴۔ اور عادتوں میں (فضائل صدقات ص ۴۴۲)

ف۔ بندہ ناچیز دو ایک باتوں کا اضافہ کرنا چاہتا ہے وہ یہ کہ خاوند حلال روزی کمانے میں لگا ہونا چاہیے اور اپنی حلال کمائی سے بیوی بچوں کو پالے ورنہ وہ عورت کا غلام بن کر رہ جائے گا۔ اور اگر عورت مالدار ہو لیکن دیندار نہ ہو تو پھر اس کا گھر دنیا ہی میں جہنم بن جائے گا۔ ہر بات میں بیوی کی لعن طعن سنتا رہے گا اگر عورت مالدار (خدا کرے) ساتھ ساتھ دیندار بھی ہو تو انشاء اللہ وہ اپنی دولت کو خاوند پر نچھاور کر دیگی۔

میں نے بہت لوگوں کو برطانیہ میں دیکھا ہے کہ باوجود کام کر سکنے کے سرکاری وظیفہ پر گذارا کر رہے ہیں اور کام نہیں کرتے اس لئے بیوی کی کڑوی کڑوی باتوں کو سنتے ہیں اور اگر اس کے لڑکے لڑکیاں کام کر کے دو پیسے لاکر دیتے ہیں تو پھر گھر کے فرد اور خاوند کی کوئی وقعت ہوتی ہے اور نہ عزت ۔ اس کی حالت نوکر سے بدتر نظر آتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے گھر کے مردوں پر ذمہ لگایا ہے کہ اپنے ہاتھ کی حلال روزی کما کر لائے اور گھر چلائے اور اپنا اسلامی وقار قائم رکھے اور اہل وعیال کی دینی تعلیم اور تربیت کر کے ادب سکھائے ۔

شادی قیامت کبریٰ اور منگنی قیامت صغریٰ ہے

حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے شادی کو قیامت کبریٰ اور منگنی کو قیامت صغریٰ فرمایا ہے ۔ منگنی بھی ایسی ضروری رسم قرار دے دی گئی ہے حالانکہ نہ اس کی کوئی شرعی ضرورت ہے اور نہ اس کی کوئی اہمیت ۔ تاہم یہاں کسی وجہ سے ایسی ضرورت ہو تو مضائقہ نہیں ۔ لیکن فضول رسومات سے دور رہنا ضروری ہے ۔

فرمایا - کہ منگنی بھی اچھی خاصی شادی ہوجاتی ہے۔ لین دین دعوت مہمانداری غرض یہ کہ شادی کے [illegible] سب پورے ہوجاتے ہیں۔ منگنی کا مقصد صرف یہ ہے کہ برادری اور رشتہ داروں میں [illegible] جائے کہ فلاں لڑکے یا لڑکی کا رشتہ طے ہوگیا ہے اس کے علاوہ [illegible] رسم کے لئے اس قدر اہتمام اور اسراف بے معنی ہے۔ اعلان اور شگون کے لئے چند سیر مٹھائی اور معمولی چیز فریقین کے استعمال کے لئے تبادلہ کر لئے جائیں تب بھی اعلان ہوجاتا ہے۔ جب اس سادگی سے مطالب برآری ہوسکتی ہے تو پھر فضول اور لغو رسومات پر عمل کرکے وقت اور سرمایہ ضائع کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

(وقت کا تقاضہ ص ۱۴)

نوٹ - حضرت نے فرمایا کہ پوری ملت کی اصلاح کی کوشش اپنی اصلاح کے بعد ہی ممکن ہے جو ہم سب پر لازم ہے کیونکہ ؎

فطرت افراد سے اغماض تو کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

گھبرانے کی چیز تو یہ شادیاں ہیں

ایک مرتبہ حضرت شاہ محمد یعقوب مجددی صاحبؒ بیمار ہوئے۔ حکیم صاحب آئے اور نبض دیکھ کر کہا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں تو حضرت نے فرمایا کہ:

"موت بھی کوئی گھبرانے کی چیز ہے؟ جو موت سے گھبرائے اس نے پڑھا لکھا سب غارت کیا اور ساری عمر کی محنت پر پانی پھیر دیا۔ گھبرانے کی چیز معصیتیں اور گناہ ہیں گھبرانے کی چیز تو یہ شادیاں ہیں جن میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر سے رخصت کر دیا جاتا ہے۔ اور قرآن و حدیث کو طاق پر رکھ دیا جاتا ہے، من مانی کی جاتی ہے"

(صحبتے با اہل دل)

نوٹ - بندہ کا مشورہ ہے کہ حضرت کے ملفوظات "صحبتے با اہل دل" جنہیں داعی کبیر حضرت مولانا سید ابوالحسن ندوی صاحب مدظلہ نے نقل کئے ہیں، ضرور پڑھئے۔

شادیوں میں کسے خوش کیا جاتا ہے

حضرت جی مولانا محمد الیاس صاحبؒ کو ایک بار دہلی کے کسی مخلص کے یہاں شادی میں شرکت کرنی پڑی۔ آپ نے شادی کی خاص مجلس کے بھرے مجمع میں فریقین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ آج آپ کے یہاں وہ خوشی کا دن ہے کہ جس دن کمینوں تک کو خوش کیا جاتا ہے (آپ کو یہ بھی گوارا نہیں ہوتا کہ گھر کی بھنگن بھی ناخوش رہے (ذرا انصاف سے) بتلایئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خوش کرنے کی بھی فکر آپ لوگوں کو ہے؟

شادی ہو تو ایسی | حضرت سعیدؒ مشہور تابعی ہیں، بڑے محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی خدمت میں ایک شخص عبداللہ بن وداعہؒ کثرت سے حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ چند روز حاضر نہ ہو سکے کئی روز کے بعد جب حاضر ہوئے تو حضرت سعید نے دریافت فرمایا کہ کہاں تھے؟ عرض کیا کہ میری بیوی کا انتقال ہو گیا تھا اس کی وجہ سے مشاغل میں پھنسا رہا۔ فرمایا کہ ہمیں خبر نہ کی ہم بھی جنازہ میں شریک ہوتے۔

تھوڑی دیر بعد جب میں اٹھ کر آنے لگا تو حضرت سعید نے فرمایا۔

دوسرا نکاح کر لیا ہے؟ میں نے عرض کیا۔ حضرت! مجھ سے کون نکاح کرے گا؟ دو تین کی میری حیثیت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم کر دیں گے۔ اور یہ کہہ کر خطبہ پڑھا اور اپنی بیٹی کا نکاح نہایت معمولی مہر آٹھ دس آنے پر مجھ سے کر دیا۔ (اتنی مقدار مہر کی ان کے نزدیک جائز ہو گی جیسا کہ بعض اماموں کا مذہب ہے۔ حنفیہ کے نزدیک دس دراہم سے کم جائز نہیں) نکاح کے بعد میں اٹھا اور اللہ ہی کو معلوم ہے کہ مجھے کس قدر مسرت تھی۔ خوشی میں سوچ رہا تھا کہ رخصتی کے انتظام کے لئے کس سے قرض مانگوں؟ کیا کروں؟ اسی فکر میں شام ہو گئی۔ میرا روزہ تھا۔ مغرب کے وقت روزہ افطار کر کے گھر آیا۔ چراغ جلایا۔ روٹی اور زیتون کا تیل موجود تھا اس کو کھانے لگا۔ کہ کسی نے دروازہ کھٹ کھٹایا۔ میں نے پوچھا کون ہے؟ کہا سعید۔ میں سوچنے لگا کون سعید؟ حضرت کا خیال بھی نہ آیا۔ کہ چالیس سال سے اپنے گھر یا مسجد کے سوا کہیں آنا جانا تھا ہی نہیں باہر آ کر دیکھا تو حضرت کو پایا۔ میں نے عرض کیا کہ آپ نے مجھے نہ بلا لیا۔ فرمایا کہ میرا ہی آنا مناسب تھا۔ میں نے عرض کیا ارشاد فرمایئے۔

فرمایا کہ مجھے یہ خیال آیا کہ اب تمہارا نکاح ہو چکا ہے۔ تنہا رات کو سونا مناسب نہیں۔ اس لئے تمہاری بیوی کو لایا ہوں۔ یہ فرما کر اپنی لڑکی کو دروازہ کے اندر کر دیا اور دروازہ بند کر کے چلے گئے۔

وہ لڑکی شرم کی وجہ سے گر گئی۔ میں نے اندر سے کواڑ بند کر دئے۔ اور وہ روٹی اور تیل جو چراغ کے سامنے رکھا تھا ہٹا دیا۔ تاکہ اس کی نظر نہ پڑے اور مکان کی چھت پر چڑھ کر پڑوسیوں کو آواز دی۔ لوگ جمع ہو گئے تو میں نے پورا واقعہ سنایا۔ اس کا چرچا میری والدہ سن کر اسی وقت آ گئیں۔ اور کہا کہ اگر تین دن تک تو نے اسے چھیڑا تو تیرا منہ نہ دیکھوں گی۔ ہم تین دن میں اس کی (رخصتی کی) تیاری کر لیں۔

تین دن کے بعد جب میں اس لڑکی سے ملا تو دیکھا کہ "نہایت خوبصورت، قرآن شریف کی بھی حافظ اور سنت رسولؐ سے بھی زیادہ واقف، شوہر کے حقوق سے بھی بہت زیادہ باخبر"

ایک مہینہ تک نہ تو حضرت میرے پاس آئے اور نہ میں ان کی خدمت میں گیا۔ ایک ماہ بعد جب میں حاضر خدمت ہوا تو وہاں مجمع تھا۔ میں سلام کر کے بیٹھ گیا۔ جب سب چلے گئے تو فرمایا (باقی صفحہ ۶۰ پر)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

O ye who believe! Fear God as
He should be feared, and die not
except in a state of Islam. And
hold fast, all together, by the
Rope which God stretches out
for you, and be not divided
among yourselves.

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED

انوسٹمنٹ بینکنگ کے وسیع تجربے اور برسوں کی کامیاب کارکردگی کے ساتھ
حسب ذیل سہولتیں فراہم کرتی ہے۔

- صنعتی منصوبوں کی جلد تکمیل کے لئے مقامی کرنسی میں قرضہ کی فراہمی
- نفع/نقصان میں شراکت کی بنیاد پر حصص کے کاروبار میں سرمایہ کاری کے مواقع۔ (خاص طور سے بیرون ملک مقیم پاکستانیوں کے لئے)
- حصص میں سرمایہ کاری کے لئے باہمی فنڈ کی سیریز — مشترکہ سرمایہ کاری کے ذریعہ سود سے پاک منافع۔

ہمارا تجربہ اور مہارت آپ کی خدمت کے لئے وقف

تفصیلات کے لئے ہمارے دفاتر سے رجوع فرمائیں

انوسٹمنٹ کارپوریشن آف پاکستان

منافع بخش سرمایہ کاری کا وسیع تجربہ

کراچی	لاہور	راولپنڈی	پشاور	کوئٹہ	فیصل آباد	ملتان	حیدرآباد	اسلام آباد
۲۲۱۵۸۶۰ (۱۰ لائنیں)	۳۰۵۴۲۹	۶۸۰۹۷	۷۲۹۵۷	۷۱۴۸۴	۳۱۸۷۳	۴۴۶۷۶	۲۶۶۷۶	۸۱۱۳۲۲
(برانچ)	۳۰۵۴۳۹	۶۵۱۳۱	۷۲۷۵۸	۷۵۳۸۰	۳۱۴۹۰	۳۱۵۷۱		۸۱۱۳۲۳
۵۱۶۰۵۴-۵	۳۰۱۳۴۲-۳	۶۵۸۶۹	۷۳۷۵۷					۸۱۱۷۱۴
۵۱۵۷۳۲	۳۰۵۴۱۵-۶	۶۷۶۰۸						۸۱۱۷۱۶
	۳۰۲۸۳۹	۶۸۰۹۸						

PID - Islamabad ICP - 2 - 86 R5

PARAGON

مولانا محمد فاروق صاحب ندوی

موجودہ حالات میں مسلمانوں کو کس طرح کی قیادت درکار ہے؟

مسلمانانِ عالم ایک عجیب کشمکش کے دور سے گذر رہے ہیں۔ اسلامی ممالک کے الگ حالات ہیں اور غیر اسلامی ممالک کے الگ حالات ہیں۔ بعض مسائل کے لحاظ سے تمام جگہ یکسانیت پائی جاتی ہے۔ اور کثیر مسائل ایسے ہیں جو اپنے اپنے علاقے اور ماحول کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ لہذا ان سب مسائل کے حل کی تلاش میں مسلمان سرگرداں نظر آتے ہیں۔ اور قائدوں اور رہنماؤں کی کھوج میں لگے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ کوئی ایک ہی نہج کا قائد یا رہنما ہر جگہ کے لئے راس نہیں آسکتا۔ مسائل اور حالات کے اعتبار سے مختلف ملکوں اور خطوں کے لئے الگ الگ انداز کے قائد اور رہنما درکار ہیں لیکن ان سب قائدین کے اندر خواہ وہ دنیا کے کسی خطے کے مسلمانوں کے لئے کیوں نہ ہو ایک مشترکہ ایمانی روح اور دینی اسلامی عملی اسپرٹ اور اخلاص کا پایا جانا ضروری ہے۔ اگر کوئی قائد یا رہنما دینی ایمانی بنیادوں کو نظر انداز کر کے اسلامی عملی زندگی اخلاص وہمدردی سے بے نیاز ہو کر رہنمائی کرنا چاہے تو اس کی رہنمائی اور قیادت مسلمانوں کی غالب اکثریت کے لئے قابل قبول اور پسندیدہ نہیں ہوگی۔ لہذا قائد کے لئے اسلامی فکری ذہنی بنیاد اور دینی وعملی قالب یا سانچہ میں ڈھل کر اپنے کو نمایاں اور مسلمانوں کا اعتماد حاصل کرنا ضروری ہوگا۔ اس سے ہٹ کر اس کی قیادت خواہ وہ کتنی ہی صلاحیتیں دوسرے اعتبار سے رکھتا ہو نا قابل قبول ہوگی اور غیر تسلی بخش ہوگی۔ مسائل مسلمانوں کے مختلف خطوں میں الگ الگ نوعیت کے ہیں۔ مثلاً کہیں مسلمان تعلیمی وتربیتی اعتبار سے پسماندہ ہیں تو وہاں ایسی قیادت مطلوب ہے جو انہیں بیک وقت دینی ودنیاوی دونوں تعلیمی میدان میں آگے بڑھا سکے۔ اور ان کی ہمت افزائی اور رہنمائی کرسکے۔ اور اگر کوئی خطہ اقتصادی لحاظ سے پسماندہ ہے تو وہاں ایسی قیادت درکار ہے جو دینی رنگ میں رنگی ہوئی ہو اور اقتصادی مسائل کا حل اسلامی نقطۂ نظر سے اور عصری تقاضوں کے مطابق اچھے انداز سے پیش کرسکتی ہو۔ اور اگر کوئی علاقہ ایسا ہے جہاں مسلمانوں کے ساتھ ظلم وزیادتی ہو رہی ہو اور ایمان کے ساتھ ان کے

لئے جینا دوبھر کیا جا رہا ہو اور وہ صحیح قیادت کے بغیر موت و زلیست کا شکار رہوں۔ تو وہاں ایسی جرأت
مندانہ قیادت کی ضرورت ہے۔ جو اسلامی بہادری و شجاعت کے کارناموں کو دوبارہ زندہ کر سکے
اور پژمردہ و مایوس مظلوم مسلمانوں میں روح جہاد پھونک سکے۔ اور انہیں فتح و کامرانی سے ہمکنار
کر سکے۔ اور اگر کوئی خطہ ایسا ہے کہ جہاں مسلمانوں پر غیروں کے غلط افکار اور خیالات ٹھونسے جا رہے
ہوں اور اسلام کی مختلف نظریات سے بیخ کنی کی جا رہی ہو اور مختلف مذاہب والے اپنے باطل افکار کے ساتھ
اس پر دھاوا بول رہے ہوں۔ تو وہاں ایسی قیادت درکار ہے جو مسلمانوں کی جانب سے مضبوط دفاع ہی نہیں بلکہ اسلام
دشمن افکار و خیالات پر آگے بڑھ کر حملے کر سکے۔ اور کہے قل جاء الحق

وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقاً

کہو کہ حق آگیا اور باطل دبے پاؤں چلا گیا اور باطل آیا ہی اسی لئے تھا کہ وہ چلا جائے۔

اور اگر کوئی خطہ اخلاقی و تہذیبی لحاظ سے نہایت گیا گذرا ہو اور مسلمانوں میں مختلف ظاہری و باطنی اخلاقی امراض
پیدا ہو گئے ہوں اور ان کے دلوں میں دنیا کی محبت گھس گئی ہو خود فروشی اور آخرت فراموشی طاری ہو باہم تفرقے
اور عداوتیں ہوں۔ بھائی بھائی کا دشمن ہو بڑوں کا احترام اور چھوٹوں پر شفقت مفقود ہو اسلامی اعمال و
ارکان سے غفلت برتی جا رہی ہو اور دین کا مذاق اڑایا جا رہا ہو۔ ایسے ماحول میں ایسی حکیمانہ اور عالمانہ و مخلصانہ
قیادت مطلوب ہے جو مسلمانوں کے ان امراضِ ظاہری و باطنی کا علاج قرآن و حدیث کی روشنی میں اور عصری
تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے جدید اسلوب میں پیش کر سکے۔ اور مسلمانوں کو قعر مذلت سے نکال کر ترقی کے بام عروج
تک پہنچا سکے۔ اور انہیں دین و دنیا کی کامیابیوں سے ہمکنار کر سکے۔ اور اگر کوئی ملک یا خطہ ایسا ہے جہاں کی
غالب اکثریت جدید تعلیم یافتہ ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ دینی رہنمائی چاہتی ہے۔ اور اسلام کا غلبہ سائنسی
علوم اور جدید ٹیکنالوجی کے اعتبار سے دیکھنا چاہتی ہے۔ تو وہاں ایسی قیادت درکار ہے جو اسلام کی صلاحیتوں
پر بھرپور ایمان رکھتی ہو۔ اور سائنسی علوم اور جدید ٹیکنالوجی کو قرآن و حدیث کے ماتحت بنا کر

الحکمة ضالة المومن حیث وجدھا فھو احق بھا

اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو علمی و فکری دلائل اور ایمانی و عملی نمونوں سے اچھی طرح مطمئن کر سکتی ہو بانگ دہل
بغیر کسی ادنیٰ مرعوبیت کے اس کا اعلان کر سکتی ہو۔

"الی الاسلام من جدید"

اور اسلام کی طرف نئے سرے سے لوٹو
ایسی قیادت یورپ و امریکہ مشرق و مغرب، روس اور چین جاپان و جرمنی اور دیگر اسلامی اور غیر اسلامی

جہاں کہ عصری علوم کے دلدادہ اور فریب خوردہ موجود ہوں وہاں سب سے زیادہ پسندیدہ اور قابل قبول تصور کی جائے گی ۔

جہاں تک پاک و ہند کے مسائل کا تعلق ہے وہاں ایک ایسی متحدہ طاقت ور قیادت مطلوب ہے جو ان کے پیچیدہ مسائل جو ہر خطے کے اعتبار سے الگ الگ ہیں حل کر سکے ۔ خصوصاً بھارت میں انہیں اکثریت کے نرغے سے نکال کر فسادات کی خطرناک تلواران کے سروں سے ہٹا کر ان کے دین و ایمان کے لئے اور ان کے جسم جان کے لئے اور مال و عزت و آبرو کے لئے جو خطرات درپیش ہیں اور جس قسم کے حالات سے وہ دوچار کر دئے گئے ہیں انہیں نجات دلا سکے ایسی مخلصانہ قیادت جو قربانیاں دے سکے حکیمانہ اسلوب سے اور مدبرانہ انداز سے جہاں سے ریشم بننا ہو وہاں ریشم اور جہاں فولاد کا مظاہرہ کرنا ہے وہاں فولاد بن کر ڈاکٹر اقبال کے بقول اسی طرح تصویر بنانے کا عزم ہو ۔

یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

بزدلانہ اور جاہ و منصب کی بھوکی قیادت ، مفاد پرست اور مصلحت پرست قیادت کی یہاں بالخصوص پاکستان میں مسلمانوں کو ضرورت نہیں ہے ۔ ایسے بہت سے چھوٹے رہبر اسٹیج پر نمایاں ہوئے ۔ اور جوشیلی تقریروں کے غبار سے ہواؤں میں اڑا کر رخصت ہو گئے ۔ ان کی تقریروں سے کوئی دنیا کا فائدہ ہوا نہ دین کا بلکہ ان سے مسلمانوں کی رسوائی ہوئی ۔ اور مسلمانوں کے مسائل پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتے گئے ۔ اور غیروں نے ہمارا مذاق اڑایا اور ہم اس حدیث پاک کے مصداق ہو گئے ۔

ترجمہ حدیث ۔ " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

" قریب ہے کہ تمہارے اوپر دوسری اقوام ہر طرف سے ایسا ٹوٹ پڑیں جیسے کہ پلیٹ کے ارد گرد کھانے والے جمع ہوتے ہیں ۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے آپ سے عرض کیا کہ کیا اس وقت ایسا ہماری تعداد میں کمی کے باعث ہو گا ۔ آپ نے فرمایا نہیں ۔ اس دن تم کثیر تعداد میں ہو گے لیکن ایسے بے وقعت ہو گے جیسے سیلاب کا خس و خاشاک ۔ تمہارے دشمن کے دل سے تمہارا رعب نکل جائے گا ۔ اور تمہارے دلوں میں کمزوری پیدا ہو جائے گی ۔ ہم نے سوال کیا کہ کمزوری کیسے آ جائے گی ۔ آپ نے فرمایا زندگی کی محبت اور موت کے خوف سے ۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اچھی قیادت انتخاب کرنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ اور مسلمانوں کے مسائل صحیح نہج اور صحیح انداز سے حل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ۔

مولانا سمیع الحق مدظلہ
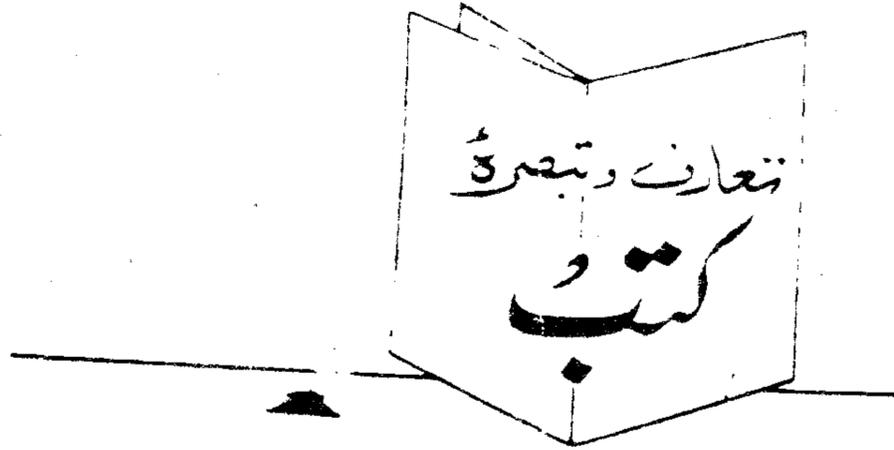
دفاع ابوہریرہؓ | "تالیف، مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب . صفحات ۲۷۶ قیمت ۶۰ روپے

ناشر، مؤتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ - اکوڑہ خٹک - پشاور

اسلام کے بدترین دشمن یہود و نصاریٰ نے صلیبی جنگوں میں شکست کے بعد مسلمانوں کے علمی و فکری محاذ پر سب سے اہم حربہ مستشرقین اور استشراق کے نام سے استعمال کیا جس کا اولین مقصد یہ ہے کہ اسلام اور رسول اسلام کے بارہ میں ہر اس چیز میں شک اور بدظنی اور ریب و تذبذب پیدا کیا جائے جس کی نسبت کسی طرح بھی اسلام کی طرف ہو یا کسی درجہ میں بھی اسلام کی عزت و افتخار میں اضافہ کا ذریعہ ہو۔ خواہ یہ چیز خود حضورؐ کی ذات اور ان کی سیرت تھی۔ یا ان کی تعلیمات۔ احادیث آثار و اخبار اور مسلمانوں کے عملی و اعتقادی نظام کے لئے سرچشمہ قانون و آئین تھا خواہ وہ قرآن تھا یا حدیث رسول اس مقصد کے لئے حضورؐ کی آئینی اور تشریعی حیثیت کو مجروح کرنا چاہا۔ سنت کے راویوں کی وہ مقدس جماعت جو طبقہ صحابہ میں کیوں شامل نہ تھی۔ انہیں طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا۔ راوی پر نکتہ چینی ہوئی۔ حدیث کے اولین مدونین کے کردار کو مشتبہ کیا گیا۔ چنانچہ مستشرقین کے سب سے بڑے گرو گولڈ زیہر اور اس کے رفقاء نے مستقل طور پر ابوہریرہؓ کی ذات کو داغدار بنانے کی سعی نامشکور کی اور اسلام کے قابل فخر مشاہیر کے خلاف پروپیگنڈہ کا طوفان مستشرقین ہی نے اٹھایا۔

حضرت ابوہریرہؓ جنہوں نے خود کو تحصیل حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وقف کر رکھا تھا جن کے حفظ و ذہانت کے لئے خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ دعا فرمائی تھی جن کی قوت یادداشت جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہے۔ اور جو علوم نبوت کے ایک بڑے حصے کے محافظ اور راوی ہیں۔ ان کے خلاف ایک محاذ کھولنے اور ان کی ذات کو مجروح و مطعون کرنے کا مقصد بھی صرف یہی ہے کہ علم حدیث کی عظمت اور حفاظت و جامعیت کو داغدار اور ناقابل اعتبار بنا دیا جائے۔ چنانچہ اکابر علماء، محدثین کرام اور سلف صالحین نے ہر دور میں حضرت ابوہریرہؓ کا بھرپور دفاع کیا ہے اور معترضین کے گھسے پٹے اور پوچھے اعتراضات کے دندان شکن جوابات دیے ہیں۔ مگر موجودہ دور کے جدید طرز تالیف

قدیم اعتراضات کا ماڈرن انداز، مخالفین کے خطرناک اور تازہ ترین طریق واردات کے پیش نظر یہ ضروری تھا کہ حضرت ابوہریرہ رض کی سوانح عمری، ان کے عشق اور محبت رسول ص کی امتیازی شان، جذبۂ اطاعت و جاں نثاری علمی مقام و منزلت جلیل القدر صحابہ کے آثار و اقوال، جمہور ائمہ امت اور سلف صالحین کا حضرت ابوہریرہ کی روایات سے اشتغال و تمسک اور پھر شکوک و شبہات تلبیسات اور اعتراضات کا احاطہ اور ان کا مدلل اور مفصل جواب اس طرح یکجا مرتب کر دیا جائے کہ محققین اور موضوع سے متعلق کام کرنے والے احباب کو متعلقہ تمام مباحث یکجا مل جائیں چنانچہ ہمارے عزیز اور مخلص بھائی فاضل محترم حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب فاضل حقانیہ زاد اللہ علمہ و مجدہ جن کے تحصیل علم کا سارا وقت دارالعلوم میں گذرا۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم ہی میں تدریس و افتاء اور تعلیمی ذمہ داریوں کی توفیق سے نوازا۔

مولانا نے "دفاع ابوہریرہ رض" کے نام سے پیش نظر کتاب مرتب کر کے اہم ضرورت کو احسن طریقہ سے مکمل کر دیا ہے۔ غیر ضروری مباحث تطویل بے فائدہ اور اطناب مخل سے احتراز، اور تمام ضروری مباحث اور متعلقہ مضامین کو ایجاز و اختصار اور عام فہم انداز میں مرتب فرمایا ہے۔ مؤلف نے جدید و قدیم زائغین مبطلین اور معترضین و ملحدین کے تمام اعتراضات حوالہ جات کے ساتھ نقل کئے اور مدلل اور شافی جوابات دئے۔

مولانا کی یہ علمی اور تحقیقی کاوش انشاء اللہ پڑھنے والوں کے لئے بصیرت و انشراح کا باعث بنے گی ہمیں خوشی ہے کہ ادارہ مؤتمر المصنفین اپنی ۳۵ ویں اشاعت دفاع ابوہریرہ کے نام سے ایک ایسی کتاب امت کی خدمت میں پیش کر رہا ہے جو خدمت علم حدیث، دفاع صحابہ اور اشاعت دین کا کام کرنے والے علماء، مصنفین، مبلغین اور مدرسین سب حضرات کے لئے بے حد مفید ثابت ہوگی اور کتاب مؤلف سمیت ادارہ اور اس کے تمام خدام کے لئے دنیا و آخرت میں وسیلہ نجات اور ذریعہ سعادت ہوگی۔

بقیہ: شادی

کہ اس آدمی (لڑکی) کو کیسے پایا؟ میں نے عرض کیا کہ نہایت بہتر ہے، کہ دوست دیکھ کر خوش ہوں اور دشمن جلیں فرمایا۔ کہ اگر کوئی بات ناگوار ہو تو لکڑی سے خبر لینا۔ میں واپس آگیا۔ تو ایک آدمی کو بھیجا جو ۲۴۰۰۰ ہزار درم (تقریباً ۵۰۰۰ ہزار روپیہ) مجھے دے گیا۔ اس لڑکی کو عبدالملک بن مروان بادشاہ نے اپنے بیٹے ولید کے لئے جو ولی عہد بھی تھا مانگا تھا۔ مگر حضرت نے عذر کر دیا تھا جس کی وجہ سے عبدالملک ناراض بھی ہوا اور ایک حیلہ سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو سو کوڑے سخت سردی میں لگوائے۔ اور پانی کا گھڑا ان پر گرا دیا تھا۔ (فضائل ذکر صد ۱۵۵)

بقیہ علم حدیث

تحریکیں اور دعوتیں اٹھتی رہیں گی۔ اور کوئی نہ کوئی جماعت حق کی علمبردار اور سنت و شریعت کے فروغ کے لئے کوشاں برد وش رہے گی۔ جو لوگ امت کو زندگی، ہدایت اور قوت کے اس سرچشمہ سے محروم کرنا چاہتے ہیں اور اس میں اس ذخیرہ کی طرف سے بے اعتمادی اور شک وارتیاب پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ وہ امت کو کیا نقصان پہنچا رہے ہیں۔ اور اس کو کس عظیم سرمایہ اور کتنی بڑی دولت سے محروم کر رہے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ اس امت کو اسی طرح سے "محروم الارث" "منقطع الاصل" اور آوارہ کر دینا چاہتے ہیں۔ جس طرح یہودیت اور عیسائیت کے دشمنوں یا حوادث روزگار نے ان عظیم مذاہب کو کر دیا۔ اگر وہ سوچ سمجھ کر ایسا کر رہے ہیں تو ان سے بڑھ کر اس امت اور اس دین کا دشمن کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ پھر اس "مزاج و مذاق" کو دوبارہ پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں جو صحابہ کرام کا امتیاز تھا اور جو یا تو کامل طور پر براہ راست صحبت نبوی سے پیدا ہو سکتا ہے یا بالواسطہ حدیث کے ذریعہ جو اس عہد کا جیتا جاگتا مرقع اور حیات نبوی کا بولتا چالتا روزنامچہ ہے اور جس میں عہد نبوی کی کیفیات بسی ہوئی ہیں ؛

بقیہ۔ شریعت کنونشن

یقین دلاتا ہوں کہ ملک و قوم کے دینی وسیاسی راہ نما باہمی مشاورت کے ساتھ اس سلسلہ میں جو لائحہ عمل اور پروگرام طے کریں گے جمعیۃ علماء اسلام پاکستان اس کی تکمیل کے لئے اپنی روایات کے مطابق ہراول دستے کا کردار ادا کرے گی۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہمارے اس مل بیٹھنے کو قبول فرمائیں اور ایسے فیصلے کرنے کی توفیق دیں جو ملک و قوم کے حق میں بہتر ہوں اور بدامنی بے یقینی اور پراگندہ خیالی سے پاک ایک پر امن، خوشحالی اور پر اعتماد مستقبل کی بنیاد بن سکیں۔ آمین یا الہ العالمین

والسلام

(سینیٹر مولانا) سمیع الحق سیکرٹری جنرل و دیگر اراکین جمعیۃ علماء اسلام پاکستان

بقیہ۔ شریعت بل

امن و خوشحالی کے ساتھ ساتھ نوکری بھی فراہم کرنا ہے۔ آپ کو ایک طاغوتی نظام کیا صرف اس کا ایک خادم ہونے کی ہی وجہ سے نوکری فراہم نہیں کر رہا جب کہ امن و امان سے یہ نظام بالکل بانجھ اور عقیم ہے۔ کیا آپ صاحبان روٹی کے لئے ہی ایک طاغوتی نظام کی خدمت انجام نہیں دے رہے تو پھر علماء کو ہی کیوں اس نظام کی خدمت کے عوض نوکری فراہم کرنے پر مطعون کیا جا رہا ہے۔ جب کہ ان کا مقصد صرف نوکریاں لینا نہیں رضا الٰہی بھی ہے۔

دفتر میونسپل کارپوریشن پشاور

ٹینڈر نوٹس

مندرجہ ذیل واٹر سپلائی کے کاموں کے لئے متعلقہ کارپوریشن کے منظور شدہ ٹھیکیداروں سے ٹینڈر مطلوب ہیں۔ ٹینڈر سربمہر لفافوں میں زیر دستخطی کے دفتر میں ۹ جولائی ۱۹۹۰ء کو ۱۲ بجے دوپہر تک وصول کئے جائیں گے۔ جب کہ ٹینڈر فارم ۸ جولائی ۱۹۹۰ء کو جاری کئے جائیں گے۔

ہر ٹینڈر فارم کے ہمراہ ۲٪ کی شرح سے زر بیعانہ بشکل کال ڈیپازٹ بنک ڈرافٹ آنا ضروری ہے
میونسپل کارپوریشن کسی بھی یا تمام ٹینڈرز کو بلا اظہار وجوہ منظور کرنے یا مسترد کرنے کا حق محفوظ رکھتے ہیں

نمبر شمار	کام کی تفصیل	تخمینہ لاگت	زر بیعانہ
۱	وارڈ نمبر ۹ میں ٹیوب ویل کی بورنگ	1,99,400/=	3988/=
۲	وارڈ نمبر ۲۴ میں ٹیوب ویل کی بورنگ	199,400/=	3988/=
۳	وارڈ نمبر ۱۴ میں ٹیوب ویل کی بورنگ	199,500/=	3990/=
۴	پائپ لائن وارڈ ۲ کے مختلف علاقوں میں ۔F.S	92,130/=	1843/=

دستخط:۔
سپرنٹنڈنگ انجینئر
میونسپل کارپوریشن پشاور

INF (P) 2479

پیلو کی بازیافت
Hamdard
PEELU TOOTHPASTE
مِسواک سے
ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ تک
پیلو کے مؤثر اور مجرّب اجزاء پر مشتمل ایک مکمل طبی ٹوتھ پیسٹ پیش کر کے ہمدرد نے
حفظِ دندان کی دنیا میں بھی اوّلیت حاصل کر لی ہے۔
پیلو صدیوں سے دانتوں کی صفائی اور مسوڑھوں کی مضبوطی کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔
ہمدرد کی تحقیقِ جدید نے پیلو کے ان افادی اجزاء اور دوسری مجرّب جڑی بوٹیوں سے ایک جامع
فارمولے کے مطابق ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ تیار کیا جو پوری طرح دانتوں اور مسوڑھوں
کی حفاظت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔
ہمدرد
پیلو ٹوتھ پیسٹ
پیلو کے اوصاف
مسوڑھے مضبوط، دانت صاف
Adarts-HTP-3/85